ضمیمۂ اردو کلیاتِ نظمِ حالی

مشتمل بر

نظم و نثرِ فارسی و عربی

جو ابتدائے سن تمیز سے سنہ ۱۳۳۲ھ تک مختلف اوقات میں
عالیجناب شمس العلما مولوی حافظ خواجہ الطاف حسین صاحب حالی
کے کلک جواہر سلک سے تراوش پاتی رہیں
اور اب افادۂ عام کے لیے
حسب فرمایش جناب حافظ محمد یعقوب صاحب مجددی پانی پتی
سنہ ۱۳۳۲ھ
خاکسار حافظ عبد الستار بیگ نے اپنے

تحفۂ ہند پریس واقع دہلی میں طبع کیا

فہرست مضامین ضمیمۂ اردو کلیات نظم حالی

تمت

صحتنامہ ضمیمہ اردو کلیات نظم حالی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۵	بسیتارر	کسیتقد	۸۳	۱۸	سدائے	صدائے	۱۲۶	۱۲	بالن دایا	بالڑ دایا
۱۲	۱۲	یاراے	پاراے	۸۴	۶	صورتِ برین	صورتِ حال برین	۱۲۷	۳	صدوق	صدوق
۱۶	نوٹ	سنجری	سنجری	〃	۱۴	کمانے کہ	کمانے راکہ	〃	〃	مصیب	مصیب
۱۹	۱۰	شبیہ	شبیہ	〃	۱۹	سوافع	سواقع	〃	۵	قہقری	قہقرے
۲۰	۱	وداع	وداع	۸۶	۰	اور ازار اول	اور انار اول	〃	۸	مہابتہ	مہابتہ
۲۵	۴	انتی	اُفتی	〃	۱۱	آن راکار نیک	آن کار را نیک	〃	۱۶	قاثرہ	مآثرہ
۲۶	نوٹ	رؤف علیخاں	یوسف علیخاں	۸۸	۵	کہ اقرار دیک	کہ اُقرار دیک	۱۲۸	۳	سینقل	سینقل
〃	〃	مہتم	مقیم	۱۰۱	۵	لا یغیر	لا یعبر	〃	۵	کمثلی	کمثل
۳۰	۱	ازایں	ابیں	۱۰۶	۷	در کوچہ	جز در کوچہ	〃	۱۰	قل رکشفت	قل کشفت
〃	۱۵	کوفت زیں	کوفت زی	۱۰۷	۳	ور شیوہ بیانی	ورز شیوا بیانی	〃	〃	اغلغوہ	اغلغوہ
۳۳	۱۶	خلق در	خلق را	〃	۱۱	آمدہ وکیسب	آمدہ بہ کسب				
۳۶	۱۷	آں سرا وج	آں سرا وج	〃	۱۲	لطافت بحرا	لطافت بہرا				
۳۷	۷	سنجاں	سنجاں	۱۰۸	۱۸	ونو و بیش	ونو ودِ شش				
〃	۱۳	لیست ایں	نیست ایں	۱۱۱	۹	عالیہ	حلیہ				
〃	۱۵	بہرو برد	بہرہ برد	۱۱۵	۹	من ہم	ومن ہم				
۴۰	۱	سررشتہ	سررشتہ	۱۱۶	۶	دیدار بوصال	دیدار با وصال				
۴۴	نوٹ	راقم خود	راقم خود گیا تھا	〃	۱۱	علۃ	علۃ				
۴۶	۸	آہ اثاں	آہ اثاں	〃	〃	الشم	السّم				
۵۲	۱	مکشوہ یا ند بکنہ	مکشوہ ماند بکنہ	۱۲۱	۹	ابق	ابق				
〃	۳	رکس نجیدہ و	رکس بخیدہ	〃	۱۰	فیما بری	فیما بری				
۵۳	۴	استنباؤ	استنباط	۱۲۲	۱	ارجو	آرجو				
۵۵	نوٹ	سنہ ۱۰۹۵ ہجری	سنہ ۱۸۹۵ء	〃	نوٹ	ہم شیا	ہم ایشیا				
۵۹	۱۹	مایہ صولت	سایہ صولت	〃	۵	پس اس	پس آس				
〃	〃	اندات نار	اند از نار	۱۲۳	۴	من بتنات	من بیّنات				
۶۳	۱۹	مستند باسر	مستنصر باللہ	〃	نوٹ	برائیاں	برائیاں				
۶۸	۱۵	خلفا کے ثلاثہ	خلفائے ثلاثہ	۱۲۴	۴	مولات	موالات				
۶۹	۱۳	کتاہت	کتابت	۱۲۵	۱۳	للعوز	للعز				
۸۱	۲	اورپس از	اوپس از	〃	۲۰	الجلائب	الجلابب				

ضمیمہ اردو کلیاتِ نظمِ حالی

مشتمل بر

نظم و نثر فارسی و عربی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

تیرھویں صدی ہجری کے وسط تک ہندوستان کے مسلمان بالطبع فارسی زبان میں نظم و نثر لکھنے اور خط کتابت کرنے کے عادی تھے جس شخص کو ادب سے مناسبت ہوتی تھی۔ وہ اکثر فارسی زبان کی شاعری اور انشا پردازی میں طبع آزمائی کرتا تھا اسکا سبب کچھ تو اسلاف کے طریقے کی پیروی کا خیال تھا جو عموماً فارسی زبان میں تصنیف و تالیف کرتے تھے۔ اور کچھ یہ وجہ تھی کہ اُردو جو اُنکی مادری زبان تھی زیادہ تر بول چال میں اور کسیقدر شعر و سخن میں محدود تھی۔ اور یہ شخص کا یہ کام نہ تھا کہ پہلے ہی پہل شارع عام کے خلاف ہر قسم کی تحریروں میں اُردو زبان کو استعمال کر سکے۔ بڑے بڑے ذی علم اور لائق اصحاب اردو زبان میں خط کتابت کرتے ہوئے ہچکچاتے تھے چنانچہ اردو زبان کے قواعد[1] تک فارسی ہی میں لکھے گئے۔ اور اردو کے شاعروں کا تذکرہ[2] بھی فارسی ہی میں قلمبند کیا گیا۔

ایک اور وجہ اُردو زبان کا رواج نہ ہونے کی یہ تھی کہ اہل علم اور لائق اشخاص اردو میں تصنیف

[1] جیسے میر انشا اللہ خاں کی دریائے لطافت ۱۲ [2] جیسے تذکرۂ گلشن بیخار مرتبہ نواب مصطفےٰ خاں مرحوم ۱۲

تالیف یا خط کتابت کرنے کو اپنی کسر شان سمجھتے تھے۔ چنانچہ مذہبی اور علمی کتابیں اکثر عربی زبان میں اور کبھی کبھی فارسی میں لکھی جاتی تھیں۔ مگر رفتہ رفتہ زمانہ کے انقلاب سے وہ میلان کم ہونا شروع ہوا۔ اور آخر کار یہانتک نوبت پہنچ گئی کہ دونوں زبانوں میں تصنیف و تالیف کرنا یا نظم و نثر لکھنا موقوف ہی نہیں ہوا بلکہ بمقابلہ اردو زبان کے محض فضول سمجھا جانے لگا۔ عربی علم ادب تو بہت دن پہلے ملک سے رخصت ہو چکا تھا۔ مگر غالب مرحوم اور اُنکے معاصرین کے بعد فارسی شاعری اور انشاپردازی کا بھی خاتمہ ہو گیا،،

مذکورہ بالا انقلاب سے تقریبًا سولہ سترہ برس پہلے راقم کو فارسی نظم و نثر لکھنے کا خیال پیدا ہوا تھا لیکن ایک عرصہ تک وہ خیال میلان طبع کی حد سے آگے نہیں بڑھا۔ حُسن اتفاق سے ۱۸۶۳ء میں میرا تعلق جناب غفران مآب نواب محمد مصطفٰے خاں مرحوم و مغفور رئیس دہلی و تعلقہ دار جہانگیر آباد ضلع بلند شہر کی سرکار میں جو کہ فارسی میں حسرتی اور اردو میں شیفتہ تخلص کرتے تھے۔ ہو گیا۔ اور اس تعلق کی وجہ سے تقریبًا آٹھ نو برس اُنکی خدمت میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ چونکہ جناب ممدوح کا قیام ۱۸۵۷ء کے بعد سے زیادہ تر جہانگیر آباد میں رہنے لگا تھا۔ جہاں مخاطب صحیح کمیاب تھا۔ اسلیئے وہ بہ شعر کیطرف بہت کم متوجہ ہوتے تھے۔ لیکن جب راقم وہاں رہنے لگا تو رفتہ رفتہ جناب ممدوح کا شوق از سرِ نو تازہ ہو گیا۔ اگرچہ اُس وقت تک مجکو فارسی یا اُردو میں فکر شعر کرنے کا بہت ہی کم اتفاق ہوا تھا۔ مگر جناب ممدوح کو اِدھر متوجہ دیکھکر میرے دلمیں بھی تحریک پیدا ہوئی ؛

فارسی یا اُردو کی جس زمین میں وہ غزل لکھتے مجھے بھی اپنے ساتھ شریک فرماتے۔ انہیں دنوں میں تنہائی اور قلتِ مشاغل کے سبب عربی ادب کی ہوس بھی دلمیں چٹکیاں لینے لگی۔ اگرچہ علم ادب کسی اُستاد سے باقاعدہ پڑھنے کا کبھی اتفاق نہوا تھا۔ اور نہ کسی ادیب سے اصلاح لینے کا موقع ملا تھا۔ مگر چونکہ لٹریچر سے فی الجملہ مناسبت تھی۔ کبھی کبھی ڈکشنریوں کی مدد سے ادب کی آسان کتابیں

دیکھنے لگا۔ شدہ شدہ یہانتک نوبت پہنچی کہ عربی نظم و نثر پر خود رو بیتہ یوں کیطرح ہاتھ ڈالنے کی جرأت ہوئی۔ غرضکہ فارسی اور اُردو کے ساتھ عربی نظم و نثر میں بھی جیننا فحیننا خامہ فرسائی کرتا رہا۔ آخروہ زمانہ آپہنچا کہ فارسی اور عربی کے مخاطب صحیح تمام مُلک میں نایاب ہوگئے۔ اور دونوں زبانیں ہندوستان کی مُردہ زبانوں میں شامل ہونے کے قابل ہوگئیں۔

یہ تو ظاہر ہو کہ مادری زبان کے سوا دوسری زبان میں جو نظم یا نثر لکھی جاتی ہو گو کہ وہ کیسی ہی بے عیب ہو اہل زبان کی نظر میں اُسکی کچھ وقعت نہیں ہوتی۔ الاماشاء اللہ۔ ہاں یہ ممکن ہو کہ اہل وطن کے نزدیک قبولیت کا درجہ حاصل کرلے لیکن جب اہلِ وطن کسی ملکی انقلاب کے سبب اُس غیر زبان سے بیگانۂ محض ہوجائیں۔ اور اُسکی جگہ ملک میں دوسری زبان قائم ہوجائے تو رفتہ رفتہ اُسکی شاعری اور انشا پردازی کا چراغ ہمیشہ کے لیئے گل ہوجاتا ہے۔

یہی حال آجکل ہندوستان میں فارسی اور عربی لٹریچر کا ہے۔ دونوں زبانوں کی نظم و نثر کے مسودے جو کبھی کبھی کے لکھے ہوئے پڑے تھے۔ اُنکی نسبت متردد تھا کہ انکو کیا کیا جائے قوم میں کوئی ایسی محفوظ لائبریری نظر نہ آتی تھی جہاں افرادِ قوم کے ذرکِش اچھے یا بڑے احتیاط کے ساتھ رکھے جائیں۔ پھر اہل وطن کا ان دونوں زبانوں سے عموماً ناآشنا ہونا اپنے اِس قدیم شعر کا مضمون یاد دلاتا تھا ؎

سخن پہ ہمیں اپنے رونا پڑے گا یہ دفتر کسیدن ڈبونا پڑے گا

لیکن مذکورہ بالا مسودات کچھ تو اس وجہ سے کہ بڑی کاوش سے لکھے گئے تھے اور زیادہ تر اِس خیال سے کہ قومی خصوصیات کی یادگار تھے۔ انکو رائیگاں کھونا گوارا نہوا۔ چنانچہ تمام بیچے جس قدر بہم پہنچ سکے اِدھر اُدھر سے فراہم کیئے گئے۔ اور ذیل کی ترتیب کے ساتھ اِس مجموعے میں جو کلیات نظم اُردو کے آخر میں بطور ضمیمہ کے ملحق کیا جائے گا۔ داخل کردیئے گئے یعنی اول نظم فارسی۔ اُسکے بعد نثر فارسی

پھر نظم عربی۔ اُسکے بعد نثر عربی ÷

یہ ضمیمہ اگرچہ کم و بیش فارسی اور عربی دونوں زبانوں کی نظم و نثر پر مشتمل ہے۔ مگر عربی کلام سقدر قلیل ہے کہ اُسکا عدم اور وجود برابر ہے۔ حق یہ ہے کہ اگر اُسمیں ایک قصیدہ حضرت مولانا و سقت بنا شاہ عبد الغنی النقشبندی المجددی قدس سرہٗ کی شان میں نہوتا۔ جو تقریبًا ۱۲۸۳ھ ہجری میں مدینہ منورہ بھیجا گیا تھا۔ اور جسکی نسبت جناب ممدوح نے بعض اُدبائے مدینہ کی پسندیدگی کا اظہار فرمایا تھا۔ تو راقم کو ہرگز یہ جرأت نہوتی کہ اپنا عربی کلام اس ضمیمہ میں داخل کرنے کی مبادرت کرتا ÷

از مقام
پانی پت

حالیؔ

نظم فارسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غزلیات

یہ غزلیں اُسی زمانے کی ہیں جبکہ خیالات میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں ہوا تھا۔ جس قسم کے مضامین غزلوں میں اوپر سے بندھتے چلے آتے تھے۔ اُسی روش پر چند غزلیں لکھی گئی تھیں۔ جنکو معدودے چند کے سوا میں اپنے موجودہ خیالات کے موافق پبلک میں پیش کرنیکے لائق نہیں سمجھتا تھا لیکن بعض احباب کے اصرار سے اُنکو اس مجموعہ میں شامل کرنے پر مجبور ہوا۔

اے تکیہ بعفو تو خطا را — وے ناز بجود تو رجا را
حاجت کند از طرب فراموش — خوانی چو بسوئے خود گدا را
جا در دل خویش ہم نیابد — رائی ز درت چو پادشا را
علت تو بری و باز بندی — بر صنعت دیگراں شفا را
تاثیر ز تست مصلحت را — بد نام نمودہ دوا را
بازار صبا نمودہ گرم — برہم زدہ طرۂ دوتا را
با مشعلۂ ہزار اُمید — پوشیدہ سُراغ مدعا را
در روشنئ ہزار خورشید — گم ساختہ چشمۂ بقا را

بر ستے ز اُفق بروں جہاندہ　　　برپا زدہ در رہش گیا را
زہرے بگلوئے جاں فشاندہ　　　لب تشنۂ خویش کردہ مارا
در بردنِ صبر داوہ دستے　ق　اندازِ بُتانِ دلربا را
از غیر گسستہ اندک اندک　　　دلہائے بالفت آشنا را
ہر یک ز قیاس و علم و ادراک　ق　از نورِ تو شد حجاب مارا
ایں پردہ کہ مُتّہم بکشف است　　　بردار ز روئے عالم آرا
از آئینہ ام بجز مثالت　　　ہم زنگ زدا و ہم جلا را
زخمے ز تو بے نمک نخواہم　　　ہم درد فرست و ہم دوا را
رازِ تو بلب نمی پسندم　　　ہم ساز بسوز و ہم نوا را
از سختیٔ دہر رو نتابم　　　دانم کرمِ ستم نما را
از شعلۂ دل بجاں خبر کن　　　مُہمل مگذار کیمیا را
زشتیم ز فرق تا قدم زشت　　　مارا و در چشم ما میارا
کردیم گناہ و فاش گفتیم　　　بپذیر گناہ بے ریا را
حرفِ طلبت بلب نہ زیبد　　　انداختیم از میاں دعا را
تا بر کرمِ تو تکیہ دارم　　　در راہ فگندہ ام عصا را
حالی! چہ زنی تو دم ز توحید　　　چوں نا بلدی رہِ خدا را
جائے کہ بعجز اعتراف است　　　خیلِ عُرفا و انبیا را
آنجا چہ مجال نطق باشد　　　ہر یافہ سرائے ژاژ خا را
اینجا جز خامشی نہ زیبد　　　نامحرم سِرِّ کبریا را

از بامِ بلند بہ کہ داری   معذورِ کمندِ نارسا را

چوں نہد گوش بر ترانۂ ما   رو واز یادِ ما فسانۂ ما
درد میبارد از ترانۂ ما   حذر از گرمیٔ زبانۂ ما
درد دلہا شنیدۂ بسیار   اندکے گوش کن ترانۂ ما
بایدت قدرِ خویشتن دانست   پائے بیروں منہ ز خانۂ ما
در سراب آبِ خضر میجوئی   اے وفا جستہ در زمانۂ ما
گوہرے کز دو کون بیرون است   میتواں یافت در خزانۂ ما
زیرِ لب ناکشودہ طومار یست   کاش پرسی زما فسانۂ ما
برق کز طور داشتند دریغ   سر برآورد ز آشیانۂ ما
قدرِ حالی ز قوم کس نشناخت   عاقبت رفت از میانۂ ما

خاکساری از جہانے دیگر است   ایں[1] زمیں را آسمانے دیگر است
شیخ ا معبودت نہ معبودِ من است   سجدہ ام بر آستانے دیگر است
با ہزاراں رنگ باید ساختن   یار را۔ ہر لحظہ شانے دیگر است
اہلِ دیں معذور دارندم کہ من   آنچہ گویم از زبانے دیگر است
ہم تغافل ہم تطاول دیدہ ام   عشق مردِ امتحانے دیگر است
دل کہ بود از چشمِ مورے تنگ تر   چوں نظر کردم جہانے دیگر است

[1] یہ مصرعہ نادانستہ نشاط کے مصرع سے لڑ گیا ہے ۱۲

برنتابد دل مدارائے کسے — در سرشیں مہمانے دیگر است
بردہ طیب سنبل زلفش زیاد — ایں نسیم از بوستانے دیگر است
منتہائے راہِ عشق افتادگی ست — منزلِ یارانِ شانے دیگر است
قیس و وامق مرورِ راہِ من نیند — اندریں رہ کاروانے دیگر است
من ز رویش حسن معنی دیدہ ام — آنچہ دل بردہ است آنے دیگر است
کارِ حالی نیست کارِ احمد است[1] — درس عشقت را بیانے دیگر است

یار پاتست گرت جذبۂ گیرائے ہست — یوسف آخر رود آنجا کہ زلیخائے ہست
مے پسندی کہ ز بزمِ تو خجل برخیزیم — بہ سخن گر نتواں آمدن ایمائے ہست
گو ملامت گر یار دل بہ نگہش مخراش — یوسفے ہست گرت تابِ تماشائے ہست
گر دہش ہیچ بکامِ دو جہاں ننگو ہیم — دردِ دل ہاست بہر دل کہ تمنائے ہست
چوں من غمزدہ ناکام ہمے باید زیست — ہر کرا در شبِ راحت غم فردائے ہست
جائے وہ بر درِ خود ور تو برانی اندیش — نتواں یافت کہ در کون و مکاں جائے ہست
بخشش ما و خوشی و لطف و مدارات یکیست — خستہ را کہ چو من کارِ ختہ ورائے ہست
بہ ہند ر باش گر او با بہ سخن مے آری — حالیؔ تفتہ دروں را دمِ گیرائے ہست

غمش تا جاں بود با جاں ضرور است — دگر خود جاں نباشد آں ضرور است

---

[1] ایں مصرع از حضرت احمد جام است قدس سرہٗ کہ در مطلع غزل خود میفرمایند:-
درس عشقت را بیانے دیگر است — مرد ایں رہ را نشانے دیگر است

ز تکلیفِ تو دانستم کہ در عشق — نباشد آنچہ در امکاں ضرورست

چو بینم خواجہ نافرماں نوازست — سرم پیچیدن از فرماں ضرورست

بطبعم ساز گار افتاد دردش — مرا پرہیز از درماں ضرورست

ز عاشق دوست دارد بینوائی — گذشتن از سر و ساماں ضرورست

کشد چوں تیغ بر سر جاں برافشاں — سپاسے در خورِ احساں ضرورست

کمندِ جذبۂ دل دلکمین است — خلاصِ یوسف از زنداں ضرورست

بفرمانش دہم سر تا بدانند — کہ پاسِ خاطرِ یاراں ضرورست

چو میرفت از جہاں میگفت حالی — قبولِ عشق را حرماں ضرورست

من و از مے دو سہ پیمانہ و یار و لبِ کشت — نہ ز دوزخ بدلم بیم و نہ پروائے بہشت

ترسم ایں حسنِ قبولت برد از راہِ صفا — خواجہ وقت ست کہ از کعبہ روی سوئے کنشت

پردہ گر برفتد از نفسِ حسرو نت بینی — ہمہ پاکیزہ نہاد و ہمہ پاکیزہ سرشت

گر بگیرد ہمہ عیب است چہ عیب و چہ ہنر — ور پذیرد ہمہ زیباست چہ زیبا و چہ زشت

عمرہا از تو بناکام ہمی باید زیست — وائے آنکس کہ ز کف دامنِ امید نہ ہشت

ترسم از کعبہ بری حسرتِ دیدار کنشت — اے فرو ماندہ بنظارۂ سنگ و گل و خشت

ہر قسم را نبود حسنِ قبول ارزانی — ورنہ حافظ چہ نوشت ست کہ حالی ننوشت

صیدِ عنقاست پریدیم عبث — راہ دورست دویدیم عبث

بود زہرے بہ شکر آلودہ — لذتِ وصل چشیدیم عبث

جذبہ آمد و بر منزل برد
راہ یکچند بریدیم عبث

گوش و لب محرمِ راز نداشت
ہرچہ گفتند و شنیدیم عبث

بود در ظرفِ مغاں آبِ بقا
منتِ خضر کشیدیم عبث

دل ہماں بتکدۂ پندار است
جائے در کعبہ گزیدیم عبث

جذبِ دل داشت زمامش در کف
از پئے ناقہ دویدیم عبث

عشق از خویش بریدن میخواست
حالی از خلق بریدیم عبث

روزِ محشر کہ ز ہر شیخ و برہمن پرسند
سر وہم قصۂ شوق تو چو از من پرسند

دل ربایند و بجا صبر و شکیب آموزند
جاں ستانند و زما باعثِ شیون پرسند

بگذر از وسوسۂ عقل کہ اربابِ طلب
راہ از غولِ رہ و چارہ ز رہزن پرسند

پارۂ بیخبری نطق مرا در کار است
مے بیارند و ز من نکتۂ ہر فن پرسند

روئے از فرع بہ اصل آر کہ اربابِ طلب
گل ببینند و سراغِ رہِ گلشن پرسند

بندہ را نیست مجالِ سخن آنجا حالی
ورنہ افسانہ دراز است گر از من پرسند

بیا کہ جان و دل از غم کرانہ میخواہند
ز رشک خار بچشم زمانہ میخواہند

ز جورہائے تو در سینہ نیست گردِ ملال
بصلح با تو سخن درمیانہ میخواہند

خوش است آشتی اما پس از شکایتہا
کہ دوستاں گلۂ دوستانہ میخواہند

ادب بحرفِ طلب بستہ است کام و زباں
وگرنہ از تو حریفاں چہا نہ میخواہند

بہ گلشنے کہ منم طائرانِ آزادند
بروں ز کون و مکاں آشیانہ میخواہند

شدیم شہرۂ عالم بعشق و بیدرداں
ہنوز از غم پنہاں نشانہ میخواہند

تن فتادہ دراں رہگذار مے طلبند
سر بریدہ بر آں آستانہ میخواہند

رسید نغمہ بہ پایان و گوشہا باز است
نشید حالی جادو ترانہ میخواہند

بے سبب رنجی و گوئی گلہ زیبا نبود
طاقت جور تو در حوصلۂ ما نبود

سعی اگر نیست بجا ذوق طلب خود چہ کم است
رہرو آں بہ کہ ز رفتار شکیبا نبود

مرد صبر ہم و رضا لیک بہنگام وداع
بازوے ہمت ما نیز توانا نبود

لطف طاعت چہ بود نیست اگر ذوق نظر
نہ پرستم صنمی را کہ خود آرا نبود

مے درد رشک عدو پردۂ طاقت نہ
غم عشق تو چنیں حوصلہ فرسا نبود

مجلس و غلط ملامت گر و ما غمزدگاں
کم نشینیم بہ بزمے کہ مدارا نبود

ہمرہ غیر میا گر بخیالم گذری
جز تو در سینہ ام از تنگی دل جا نبود

قدر استادی من بود ز خود سنج کہن
باز گردم در فردوس اگر وا نبود

فتنۂ حشر بپا گشت و حالی بگماں
کایں ہم از شعبدۂ آں قد رعنا نبود

برقع برخ افگندہ و ہر سو نگرانند
فریاد کہ ایں پردگیاں پردہ درانند

از زلف و رخ آشوب دل بوالہوسانند
در ناز و ادا فتنۂ صاحب نظرانند

جاں وارہے عشاق و بکام دل اغیار
عمر ابد ما و نصیب دگرانند

صد حرف غلط گفتہ بخاطر بنشانند
صد تیر خطا کردہ ز دل در گذرانند

سازند و بسوزند و گرانید و ربایند
زنہار ازیں قوم کہ پرفتنہ گرانند

از چشمِ جہاں بیں چہ زیاں اہلِ نظر را ہر سو کہ ببینند بسوئے نگرانند
آشفتگیٔ نغمۂ مستاں نہ زہوش است معذور تواں داشت کہ آشفتہ سرانند
حدِ نظر آن است کہ رویش نتواں دید پیدا است کہ ایں مدعیاں بے بصرانند
امید کہ از راز خبر داشتہ باشند دیوانہ و لائے کہ ز خود بے خبرانند
حالی تو بہر حرف و صد نکتہ نہفت است سنجندہ دریں بزم اگر نکتہ ورانند

عالم ہمہ در بندِ تمنائے تو باشد گر صوفی و گر زند کہ شیدائے تو باشد
آتش زنِ صد خرمن و ویراں کنِ صد کشت برقے ست کہ در نرگسِ شہلائے تو باشد
آں سادہ کہ در عہدِ تو خرسند بہ ہیچ است دل باختۂ لطف و مدارائے تو باشد
خرسند نمے سازی و غمگیں نپسندی ناکام کسے کش سرِ سودائے تو باشد
نومید مکن ورنہ محال است کہ کس را یارائے غمِ حوصلہ فرسائے تو باشد
یارائے صوابت چہ کنم رائے جہاں را کے رائے جہاں در گرو رائے تو باشد
تابِ تپِ صد شعلہ و بیتابیٔ صد برق ریزند دراں دل کہ تمنائے تو باشد
بر مرگ نہم دل کہ علاجِ دلِ بیمار شرط است کہ از لعلِ دل آسائے تو باشد
آنکس کہ بلرزد تنش از مژدۂ دیدار دانم کہ نگرمرد تماشائے تو باشد
با حالیٔ بیچارہ تواں ساخت کہ مسکیں ہم بندہ و ہم عاشقِ شیدائے تو باشد

ہر دم از عشق خدنگے بہ نشاں مے آید اندک اندک دلم از غصہ بجاں مے آید
جاں گدازند بلطف و بغضب شاد کنند ہرچہ خواہید ازیں عشوہ گراں مے آید

بعد ازیں راز بصد پردہ نہاں نتواں داشت
عشق مے آید و با طبل و نشاں مے آید

در بہاراں بہ تماشائے گل از جا نروی
تا نفس راست کنی فصل خزاں مے آید

سوئے من آمدہ مشتاق و ز طرز نگہش
مے تراود کہ بسوئے دگراں مے آید

دوش چیزے ز سخن ہائے محبت نگذشت
بجز آں حرف کہ از دل بزباں مے آید

عجب از خود کنم و سوئے فلک مے بینم
چوں خدنگ تو بسویم ز کماں مے آید

چوں نہ محرم اسرار ہماں در دل ماست
بر زباں ہر چہ ز اسرار نہاں مے آید

یار چوں نیست موافق چہ وداع و چہ وصال
مے رود ناخوش و ناخوشتر ازاں مے آید

حالی زار گرفتم کہ وفادار کسے است
زود بینی کہ ز دست تو بجاں مے آید

شوقے بدوست راہنما داشتم چہ شد
دردے بہ از ہزار دوا داشتم چہ شد

عمریست دل بہ بند پیام وصال نیست
چشمے برہگذار صبا داشتم چہ شد

در دست جام بادہ و در دل ہوائے دوست
وقتے چو اہل دل بصفا داشتم چہ شد

افتادہ زیر سایۂ دیوار حسرتم
بر فرق خویش ظل ہما داشتم چہ شد

سود و زیان خویش نہ بردے مرا ز جا
پنہاں بہ او معاملہا داشتم چہ شد

یادم کنوں نماندہ کہ پیماں چہ بودہ است
در سینہ خار خار وفا داشتم چہ شد

کارم ز سعی خضر بجائے نمے رسد
در ظرف خویش آب بقا داشتم چہ شد

آوارگی بہ برد ہوائے وطن ز یاد
زیں پیش روئے خود بقفا داشتم چہ شد

حالی خوش آنکہ بود دلم تکیہ بر وفا
ذوقے بدل ز جور و جفا داشتم چہ شد

لب بہرہ زرازِ ما ندارد   خود زمزمہ سازِ ما ندارد
ہر جا صنمے ست معبدِ ماست   یک قبلہ نمازِ ما ندارد
بر نالہ ما دلش نہ سوزد   آں کس کہ گدازِ ما ندارد
آں گوش کہ پُر ز حرف و صوتست   گنجائیِ رازِ ما ندارد
کارم بہ کسے فتادہ کز ناز   پروائے نیازِ ما ندارد
گر ہر دو جہاں فراہم آرند   اندازہ آزِ ما ندارد
حالی گلہ جفائے دوراں   صوتے ست کہ سازِ ما ندارد

دلے خواہم کہ چوں پروانہ سوزد   فتد در آتش و مردانہ سوزد
زید آوارہ و میرد بنا کام   دل از رشکم بر آں دیوانہ سوزد
تبہ کردست جورِ آشنایم   بحالِ من دلِ بیگانہ سوزد
بکُنجِ خانہ شمعے مے فروزم   کہ چوں درگیرد اوّل خانہ سوزد
دلے راکش بدوزخ سوخت نتواں   فروغے از رُخِ جانانہ سوزد
فروغ از من کسے جز من نگیرد   من آں شمعم کہ در ویرانہ سوزد
گر از من بشنوی روداد حالی   بچشمت خواب زیں افسانہ سوزد

غزل ناتمام

در گلستاں بلبل و در انجمن پروانہ ام   من بہر جا محو نیرنگ رُخِ جانانہ ام
محرمیت نیست دل را با ہزاراں قرب و دوست   یا گرمِ آشنائی ہا و من بیگانہ ام
خضرِ راہِ منزلِ مقصود جز توفیق نیست   زاین و آں پرسم نشانِ او مگر دیوانہ ام

عشق اگر کیش ست ملت ناکهن خواهد شدن — منبرے هر گوشه از دار و رسن خواهد شدن

گر عنانِ بادِ مصر اندر کفِ جذبِ دل است — رنگ یوسف جمله بوئے پیرهن خواهد شدن

عمرها شد تشنهٔ آبِ دمِ شمشیرِ تست — تیغ برکش ورنه جاں بیروں ز تن خواهد شدن

می‌دمد گل هر کجا پائے نگاریں مے نهی — جاده چوں از سیر باز آئی چمن خواهد شدن

شکوه گر بر لب نیاید عاقبت کیں مے شود — زخم را درماں نباشد چوں کهن خواهد شدن

صید تا افگنده محوِ دست و بازوئے خود است — ایں جواں روزے شکارِ خویشتن خواهد شدن

زینکه شد همخوابهٔ خسرو نیرزد نیم جو — گرمیِ بازارِ شیریں کوهکن خواهد شدن

در غریبی طرحِ الفت افگنم با هر کسے — در دلِ گبر و مسلمانم وطن خواهد شدن

یار در گو چست من خاموش و جاں بیتاب گر — جذب در دل نیست کار از دستِ من خواهد شدن

دوست پر تمکین و حالی از ادب بسیار دور — دیر با او همنشین و هم سخن خواهد شدن

غزل ناتمام

بے نورِ صفائے دل پنهاں شده هر پیدا — اے شب تو به پایاں رس اے مهر درخشاں شو

گر بازوئے همت هست دستے بگریباں زن — ور پائے ارادت هست لختے به بیاباں شو

تنهائی و رنجوری وانگه غمِ مهجوری — اے مشکلِ من بگشا اے مردنم آساں شو

شوخے ست که نگذارد بر ملتِ خود کس را — اے شیخ ز دیں برگرد اے گبر مسلماں شو

ساقی به قدح بخشی گو توبهٔ ما بشکن — مطرب به نوا سنجی گو رهزنِ ایماں شو

هم باده و بادم خور هم بوسه پیاپے ده — بے پرده تر از گل آئے چوں بوئے گل ارزاں شو

اے بر تو نقاب از تست خود جلوه حجاب از تست — از خود بجدا پیوند و ز خویش بر آں شو

حالی بہ سخن خواہی رفتن ز پئے غالب   دولت بغلط نبود از سعی پشیماں شو

نہ گرود از تو ہرگز سیری چشم تماشائی   اگر بر دیدہ بنشینی و گر در دل فرود آئی
نگنجد با تو این ہنگامہ ہا در شان یکتائی   تو چندین عالمے با خویشتن داری و تنہائی
ترا شایاں بود خوبی کہ ہم مہری و محبوبی   ترا زیبد دل آرائی کہ ہم خوبی و زیبائی
تو چشم و گوش بکشائی و شد بہر تو ارزانی   بگلشن چہرہ آرائی بہ بلبل نغمہ پیرائی
نہ در بزم مغاں راہت نہ در کوئے گدا گاہت   تو اندر بند مستوری چہ دانی ذوق رسوائی
سر راہ خدا داری و دل سوئے قفا داری   تو زانساں بیخبری از رہ کہ پنداری نمی آئی
گواہ بیگناہی ہائے خود دارد جہانے را   تو دست خود بخون حالی مسکیں نیالائی

تخمیس غزل نعتیہ جناب مرزا غالب مرحوم کہ در حیات ایشاں نوشتہ شدہ بود

اعجاز از خواص لسان محمدؐ است   عین الحیٰوۃ گم بدہان محمدؐ است
گر نور و گر ہدا سے کہ از آن محمدؐ است   حق جلوہ گر ز طرز بیان محمدؐ است
آرے کلام حق بزبان محمدؐ است

ای خامہ صفت قامت معشوق کم نگار   اے دل سخن ز رست قد آں میان بیار
قمری ز ذکر سرو نفس را نگاہدار   واعظ حدیث سایۂ طوبےٰ فرو گزار
کاینجا سخن ز سرو روان محمدؐ است

شاہد بقتل عاشق و عاشق بجان خود   مجنوں بپائے لیلیٰ و لیلےٰ بفرق خود

ے۵ یہ مصرعہ حضرت میر حسن سنجری رح کی غزل سے لیا گیا ہے جسکا پہلا مصرعہ یہ ہے ع تو نور دیدہ ینی ای مہ رو تو جان جانی ای جاناں ۱۲

مومن بآلِ احمد و آلش بروحِ جسد ہر کس قسم بانچہ عزیز ست میخورد
سوگند کردگار بجانِ محمدؐ است

آنجا کہ از مناقبِ عترت سخن رود وز آل و از صحابۂ وے ہست سخن رود
داں کانہمہ زختمِ رسالت سخن رود ور خود ز نقشِ مُہرِ نبوت سخن رود
آں نیز نامور ز نشانِ محمدؐ است

حکمش بمہر و ماہ رواں ست چوں قضا دیدی کہ بازگشتنِ خورشید بر قفا
بودہ است بر اشارۂ ابروئے مصطفیٰؐ بنگر دو نیمہ گشتنِ ماہِ تمام را
کاں نیمہ جنبشے ز بنانِ محمدؐ است

دانی ز پیشِ چشمِ تو برخیزد ار حجاب کز نورِ شمع پردۂ فانوس راست تاب
باشد ظہورِ روشنیِ عارض از نقاب آئینہ دارِ پرتوِ مہر ست ماہتاب
شانِ حق آشکار ز شانِ محمدؐ است

بینی اگر بدیدۂ درّاک وارسی گوئی اگر بعالمِ اوزاک وارسی
سنجی اگر بتربۂ خاک وارسی دانی اگر بمعنیِ لولاک وارسی
خود ہر چہ از حق است از آنِ محمدؐ است

لطفِ خدا ست گر بسرِ کس نہاد دست قہرِ خدا ست چوں بسرِ کیں نگہ جست
داند کسے کہ شد ز مئے مادمیت مست تیرِ قضا ہر آئینہ در ترکشِ حق است
اما کشادِ آں ز کمانِ محمدؐ است

ہمت بمدحِ شہ چو حالی گماشتیم گفتیم و از نگاشتنی ہا نگاشتیم
چوں کام و لب فراخورِ وصفش نداشتیم غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم

کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

رباعیات

توحید

دل دادۂ شوقت چہ ولی و چہ نبیؐ   سودا زدہ ات ہم عجمی ہم عربی
دل از تو تسلّی نتواں کرد بہ ہیچ   اے خوشتر از آب سرد در تشنہ لبی

ایضاً

یارب کرمے کہ شرمسار آمدہ ایم   سرمایۂ ناکسی بہ بار آمدہ ایم
شایستۂ دوزخیم و جویائے بہشت   دریاب کہ پُر امیدوار آمدہ ایم

اخلاق

سر بر مفراز خاکِ پائے ہمہ باش   دلہا مخراش و در رضائے ہمہ باش
با خلق نیامیختن از خامی تست   ترک ہمہ گیر و آشنائے ہمہ باش

دیگر

سر نِہ بدرے و خاکِ پائے ہمہ باش   دل دِہ بیکے و دلربائے ہمہ باش
خواہی شوی آشنائے بیگانہ نما   بیگانہ آشنا نمائے ہمہ باش

دیگر

اے آنکہ ز حلّۂ صداقت عوری   بنشیں بر ما یا منشیں مجبوری
کس از دلِ دشمنانِ خود دور مباد   چند آنکہ تو از خاطرِ یاراں دوری

دیگر

اے ہیچ بہ ہیچ خود نمائی تا چند — خود بینی و خویشتن ستائی تا چند
چوں میدانی کہ جز کفِ خاک نہ — پس ایں ہمہ دعویِ خدائی تا چند

دیگر

از شعر و سخن گوشِ جہاں کر بادا — دیں مشغلۂ بیہدہ کمتر بادا
بہر کہ دعاے بد کنم مے گویم — یارب کہ گراں مایہ سخنور بادا

دیگر

چندے بہواے گلعذاراں بگذشت — لختے در بندِ روزگاراں بگذشت
برنا مدہ کامِ دل شباب آخر شد — ناشگفتہ گلے و نو بہاراں بگذشت

عزا

عباسؑ علی و اکبرؑ آں غیرتِ ماہ — بودند شبیہ احمدؐ و شیرؓ الٰہ
در نوحہ ایں ہر دو جواں بر لبِ شاہؑ — گہ وا ابتاہ بود گہ وا جداہ

در شکریۂ مہمان نوازی قاضی محمد خلیل صاحب بیلوی کہ در زمانۂ قحط در بریلی گفتہ شد

ہر چند ز تیغِ قحط خلقے ست قتیل — وز بسکہ فلک بہ خاکیاں گشتہ بخیل
اما چہ غم از قحط کسے را کہ مدام — الوانِ نعم مے رسد از خوانِ خلیل

در شکرِ لطف و عنایت سید کرامت علی مرحوم صفاتخلص ہنگامِ وداع از پٹیالہ

حالی نشود محو ز لوحِ دلِ ما — لطفیکہ دم وداع فرمود صفا
گر قدرِ مسافراں بہ غربت این است — صد رہ بسفر میرو و صد بار آ

در تاویلِ جراحت مولانا شبلی مدظلہ

شبلی کہ گزند پاش پے دل شکن است — با خستگیش خجستگی مقترن است
چندانکہ بکاہد فزاید اینجا — کار استن چمن ز پیراستن است

در تاسف بر وفات یکے از فرزندان مہاراجہ کشن پرشاد بہادر مدار المہام سرکار عالی متخلص بہ شاد

چرخ از پس داغ بر دلش داغ نہاد — او جز بہ سپاس ایزدی لب نکشاد
الحق کہ بغصہ شاد و خنداں بودن — زیں گونہ ندیدیم جز از حضرت شاد

رباعیات در شکریہ شیرینی مرسلہ مولوی عبدالعلی خاں والہ پروفیسر نظام کالج در حیدر آباد

دینم اخلاص و دوستداری آئیں — من بندۂ دوستان اخلاص گزیں
شیرینیکہ یار شیریں بخشد — بروے بتواں فشاند جانِ شیریں

دیگر

والہ کہ بمردمی فرید آمد و فرد — از مہر وطن کرد دلِ حالی سرد
ہر سیرت نیک را توان یافت بدل — جز سیرت والہ کہ مرا والہ کرد

دیگر

بُرد از دلِ من صبر و دل از پہلوئے من
افسونِ وفا و کرمِ اہلِ دکن

زینساں دل و صبر اگر بغارت ببرند
مشکل کہ رسیم ما غریباں بوطن

در شانِ نواب ضیاء الدین احمد خاں مرحوم دہلوی متخلص بہ نیّر در فارسی و رخشاں در اردو

عمریست کہ دہلی جسدِ بیجان است
وز قحطِ رجال سر بسر ویران است

باحسد شکر کوکبِ بختِ خفش
روشن ز فروغِ نیّرِ رخشان است

خطاب بحضرتِ ممتاز[1] مرحوم

اے مدحِ تو ضحکۂ جہاں کرد مرا
لطفِ تو خجل از این و آں کرد مرا

حُسنِ ظنِ تو کہ کردی اندر حقِ من
زابنائے زمانہ بدگماں کرد مرا

ایضاً

ممتاز آں آشنائے بیگانہ نما
کز ہر سخنش ہمی چکد صدق و صفا

نادیدہ بجاں شوقِ لقایش دارم
گر دست دہد جاں بر مش روئے نما

ایضاً

اے پارسیٔ ریختہ ات ذوق انگیز
وے نظمِ تو چوں نثرِ ہمہ الفت خیز

در پردہ سخن گفتی و رخ ننمودی
بازار خود و آتشِ ما کردی تیز

[1] قاضی ممتاز حسین صاحب مرحوم متخلص بہ ممتاز کیمل پور کے رئیس پہلی بھیت تھے اور پہلی کھنڈ میں فارسی نظم و نثر کے نامور استاد تھے انہوں نے قدر دانی کی راہ سے چند رباعیاں میری نسبت تحریر فرما کر بھیجی تھیں اُنکے جواب میں یہ تین رباعیاں میں نے بھی لکھی تھیں ۱۲ حالی

قصائد و قطعات وغیرہ

قصیدہ۔ در مدح جناب غفران مآب حاجی الحرمین الشریفین نواب محمد کلب علیخاں مرحوم رئیس مصطفےٰ آباد۔ رام پور

اس قصیدے کی تمہید اُس وقت لکھی گئی تھی جب کہ شاعرانہ خیالات میں پہلے ہی پہل انقلاب پیدا ہوا تھا۔ اور مبالغہ سے نفرت ہونے لگی تھی۔ اُنہیں دنوں میں پہلا دربار قیصری منعقد ہونے والا تھا جو ۱۸۷۷ء میں بمقام دہلی وقوع میں آیا۔ جی میں آیا کہ اس تمہید کے بعد کسی ایسے قصیدے کی بنیاد ڈالی جائے جس میں بقدرِ امکان مبالغہ سے احتراز کیا جائے۔ چونکہ حضور نواب صاحب ممدوح سے فی الجملہ تعارف تھا۔ اور اُنہوں نے سرسید کی امداد میں سب سے پہلے سبقت کی تھی۔ اور دربار میں اُنکے شریک ہونے کی قوی اُمید تھی اسلیے اُنہیں کو اس قصیدے کا ممدوح قرار دیا گیا۔ اگرچہ وہ علالت کی وجہ سے شریک دربار نہ ہو سکے۔ اور قصیدہ اُن کی خدمت میں بوجہ دلخواہ پیش نہ ہو سکا۔

سحرگہ پردہ بگرفتند چوں از زشتؔ و از زیبا بدل گفتم کہ ایں نعمت آمد برتر از نعما
بگفتا نعمتے در قدر از ہم بیش و کم نبود ز ساقی عین رحمت داں اگر جرعہ و گر مینا
ولے فرماندہِ بیدار دل زیں اصل مستثنیٰ است کہ چوں او نعمتے نتواں نشاں داد از پئے دنیا
صلاحِ عالمے بارائے او وابستگی دارد جہاں را چوں چمن میداں و او را چوں چمن پیرا
رعیت را چناں دارد کہ دارد گلہ را چوپاں غمِ دلہا خورد زانسانکہ بازرگاں غمِ کالا
بہ روز از دادِ مظلوماں زمانے بر نیاساید بہ شب چوں پاسباں بیدار باشد بر درِ دلہا

یتیماں را پدروار اشکہا از رخ فرو شوید غریباں را چو غمخواراں برآرد خارہا از پا
اگر بیوہ زنے نالد ز دستِ ناخدا ترسے بہ داد او رسد زاں پیش کاید بر لبش آوا
گدایاں را دہد بخشے کہ دلہا را غنی سازد ضعیفاں را دہد زورے کہ پیراں را کند برنا
نگہے برہم زند یک شہر بر فریادِ مظلومے گہے یک جاں ستاند تا اماں بخشد جہانے را
مظالم را براندازد جہاں از فتنہ پردازد عدالت را برافرازد ستم را افگند از پا
ضعیفاں را تواں بخشد مظلوماں اماں بخشد بہ محتاجاں چناں بخشد کہ حاجت را نماند جا
نگارد چوں باصلاحِ مفاسد ہمتِ خود را کند اصلاحِ آں چندانکہ سازد زشت را زیبا
فروزد شمعِ دیں زانساں کہ ظلمت از جہاں خیزد ہنر را پرورد چندانکہ گردد عیب ناپیدا
بصحبت برگزیند بخردانِ مصلحت جو را کہ پشتیبانِ ملک و دولت آمد صحبتِ دانا
شریعت را و را امر و نہی دارد تکیہ گاہِ خود کہ چوں باشد عصا در دست ہرگز نلغزد پا
نہ سازد تکیہ در بیچارگی جز بر توانائے کہ ابکم را بہ بخشد نطق و اعمیٰ را کند بینا
نباشد غرہ در سرپنجگی بر زورِ بازوئے کہ گہ گہ تن بعجز اندر دہد از پشہ تنہا
گر امروزش ہمہ سامانِ عیش و خرمی بخشند نہ سازد با دلش از تلخیِ اندیشۂ فردا
جہاں را پر کند از عدل و از طغیاں تہی سازد ہمہ مقصودِ او ایں باشد از دنیا و ما فیہا
اگر از جائے خود جنبد زند صد فتنہ را برہم وگر خاموش بنشیند کند صد عقدہ از ہم وا
اگر لطف آورد آید بکامِ خلق شیریں تر از آں انفاسِ جاں پرور کہ کردے مردہ را احیا
وگر خشم آورد با مصلحت نزدیک تر باشد از آں لطفے کہ شوید گردِ کیں از خاطرِ اعدا
صلاحِ ہر یکے جوید چہ در پیدا چہ در پنہاں بود در بندِ احسانش اگر ناداں وگر دانا
بصورت ملتفت اما نہ بندد جز بمعنی دل بہ دنیا مشتغل اما نباشد فارغ از عقبیٰ

بود تا در دیارِ خویش سر بر پا فشانندش — دگر افتد بہ ملکِ غیر در چشمانِ ہندش جا

اگر خواہی جہاندارے چنیں بیدار دل بینی — بیا در خیمہ گاہِ دیں پناہِ خسرو والا

دریں جشنِ شہنشاہی کہ گوئی حشر اعیان ست — زہے چشم دل بکشا و بنگر عین اعیان را

سحابِ مکرمت **کلبِ علیخان** آنکہ در عہدش — گدا از شاہ و مفلس از توانگر دارد استغنا

نیابی ہیچکس کش بار گردن نیست احسانش — چہ دولتمند مستغنی چہ عزلت گیرِ بے پروا

نہ تنہا صیتِ احسانش بہند افتاد و قطاعش — کہ شد آوازۂ جودش بلند از یثرب و بطحا

گر از لب بند بکشاید دمد بر گوش ہا افسوں — ور از رخ پردہ بردارد نظر ہا را کند شیدا

رخے روشن تر از مہر و سرے بالاتر از گردوں — کفے ریزندہ چوں ابر و دلے جوشندہ چوں دریا

جبیں انوار را مسکن ضمیر اسرار را مخزن — بروں زیبا دروں روشن زہے صورت زہے معنیٰ

ق

خوشا وقتِ سخن سنجے کہ چوں باوج پروازد — نگہدارد عنانِ خامہ را از جادۂ اطرا

کہ نبود ہیچ بیتے سادہ ہرگز کارگر در دل — اگر صد بیتِ رنگیں در ستایش کس کند انشا

دو صد اغراق با یک قولِ صادق بر نمی آید — فَاِنَّ الحَقَّ یَعلُو کُلَّ بُہتانٍ وَلَا یُعلیٰ

بحمد اللہ کہ من مداحِ آں سرچشمۂ فضلم — کہ در فضل و کمالش ہر چہ گویم باشدش زیبا

بہر فن پایہ اش والا بہر علمش ید طولیٰ — بہر حرفے دلش دانا بہر صیدے کفش گیرا

بہر منزل گہش راہے بہر کویش گزرگاہے — بہر جا لیش علم برپا بہر راہش قدم پویا

بجائے کز ہنرمنداں کسے را در شمار آرند — ہنر نالد کہ مَن لِی عِبرَۃً فِی الدِّینِ وَالدُّنیا

بوقتے کز جواں مرداں عزیزے در حساب آید — کرم گوید کہ مَا لِی دُونَہٗ مَنجیً وَّلَا مَاویٰ

بہ بزمے کز سخن سنجاں حدیثے در میاں افتد — سخن بر خویشتن بالد کہ ما از شاہ و شاہ از ما

سخن را برتری داده عبارت را تری او — او را دلبری داده زهی منشی زهی انشا
معانی با نزاکت چون ادا با حسن هم پیما — مبانی با عذوبت چون صفا با دوستی همپا
رباعی شیوهٔ دارد که نتوان دید در جادو — غزل کیفیتے دارد که نتوان یافت در صهبا
رباعی مثنوی از برقِ خاطف رنگمان انتی — غزل مینی زنی بر سنگ جامِ بادهٔ حمرا
جزالت با قصائد توامان چون اوج با کیوان — شگرفی با قوافی همعنان چون موج با دریا
عروجِ پایگاهِ مصطفیٰ آباد را نازم — که دارد این چنین فرمانروائے مملکت پیرا

ق

توائے کز وصف شیراز و صفاهان قصه‌ها راندی — یکے در مصطفیٰ آباد رفته چشم دل بکشا
نه پندارم کز ینسان دیده باشی در جهان شهرے — هنر را مسقط الراسے دین را ملجا و ماوے
بهر دکان متاع علم و حکمت چیده تو بر تو — بهر بزم اندرون روشن چراغِ ملتِ بیضا
هم از اهل صناعت کاملانش چار سو بینی — هم از ارباب علم و فضل یابی فوج فوج آنجا
فقیهان اجتهاد آثار و دانایان فلاطون رای — حکیمان شهره در علم و طبیبان در عمل یکتا
گروهے از سخن سنجان که باشند زان همه هر یک — سخن را زندگانی بخش و معنی را حیات افزا
بموسیقی بسے از سحرکاران نکیسا دم — که نبود شان چو بونصرے درین ره همسر و همتا
خوشا شهرے و فرخ شهریارِ نام بردارش — نگهدارد خدا این هر دو را از ناخوشِ دنیا

ق

توائے کز سیرِ بنگاهِ[۱] سران هند مے آئی — چه آوردی بگو از جنس معنی ارمغان ما را
گرفتم دیده از ملک و دولت بهره ور جمعے — ولے کم دیده باشی علم و دولت را بهم یکجا

[۱] یہ خطاب ہے اُس فرضی شخص کیطرف جو گویا کہ درباری رئیسوں اور سرکاری مہمانوں کے ڈیروں اور خیموں کو دیکھکر واپس آیا ہے ۱۲

کشادستند بر روے ہوا صد طبلہ عطاراں — مشامے کو کہ دریابد شمیم عنبر سارا

بگلشن جلوۂ ہر نونہالے دیدنی دارد — ولے در خاطر بلبل نگنجد جز گل رعنا

کسے کو باشد از پیرایۂ علم و ہنر عاری — بچشم اہل دل ہیچ است اگر جمشید اگر دارا

ق

الا اے آنکہ از مدحش مرا طب اللساں دیدی — نہ پنداری کہ فر مال و جاہم بردہ است از جا

سزاوار ستایش گر بہ تنہا سیم و زر بودے — نمی کردند صدیقاں رم از صفرا[1] و از بیضا

ولے با فر صورت حسن معنی جمع چوں دیدم — نیارستم زباں بستن ز شکر واہب یکتا

کہ در اسلامیاں از جنس ایشاں مہترے آورد — بہاں از علم لذت کش بعلم از مال بے پروا

نوید اہل جہان آباد را کایں روز آں روز ست — کہ نازد ہر قدر ایں بقعہ بر خود باشدش زیبا

درود[2] حضرت نواب در دہلی بداں ماند — کہ آب رفتہ سوئے آبداں باز آید از دریا

مرا ایں نغمہ بر لب بود کآوازے بگوش آمد — کہ پر شد ساغر امروز از ناکامی فردا

توقع داشتیم از مقدم نواب دیں پرور — کہ روزے چند ایں ویرانہ گردد خویشتن آرا

ولے ناسازگاری ہائے بخت واژگوں نگذاشت — کہ کشت خشک ما را تر کند ابر کرم فرما

برو حالی تحمل پیشہ کن در ہر خوش و ناخوش — کہ سرے ہست پنہاں در عسیٰ اَن تکرھوا شیئاً

ہلال عید را گر بینی و گر منتظر باشی — فروغ افزاید آں در چشم و خرم دارد ایں دل را

خداوندا بحق آنکہ از اعجاز انفاسش — بدست پاک او مشت حصا را کردہ گویا

[1] یہ اشارہ ہی حضرت عمرؓ کے قول کیطرف کہ یا صَفراءُ غُرّی و یا بَیضاءُ غُرّی غَیری یعنی اے سونے اور اے چاندی میرے سوا کسی اور کو دھوکا دینا ۱۲ [2] اسمیں اشارہ ہے اُس زمانہ کی طرف جبکہ نواب ممدوح کے والد ماجد نواب ذ ف علیخاں مرحوم دہلی میں بہ حالت طالب علمی مقیم تھے۔ اور نواب ممدوح صغر سن میں اُنکے ساتھ یہیں رہتے تھے ۱۲

بہ بخشش ایں مہتر کہتر نوازِ فیض گستر را | نصیبے کامل از دنیا و از دیں بہرہ اوفے
مدہ اندوہ و غم را در درونِ خاطرش راہے | کہ با جمعیتش وابستہ شد جمعیتِ دلہا
دگر۔ یاری دہر گر بخت وقت آں آرزو دارم | کہ یکرہ پرورشش خود را زنم چوں تشنہ بر دریا
تکلف نیست در ہر چہ از دعا و از ثنا گفتم | تو دانی حالِ ما یا عالمًا بالجہرِ والاخفا

قطعہ بر وفات آنریبل نواب محمد علیخاں مرحوم متخلص بہ رشکی خلفِ اکبر حضرت نواب محمد مصطفٰے خاں رحمہ اللہ رئیس جہانگیر آباد ضلع بلند شہر

دریغ از رحلتِ نواب رشکی | کہ بود امید گاہِ حالیِ زار
بصورت گرچہ بود از دیدگاں دور | نبود از دل نہاں یک لحظہ زنہار
بیادِ صحبتِ دیرینہ او | بدے روشن ترا از روزم شبِ تار
ز مرگِ خواجہ گم کردیم صد حیف | متاعِ کاسدِ خود را خریدار
دریغ آں شاد باش و شادمانی | دریغ آں کس مرنجاں کس میازار
دریغ آں عیدِ وصلِ گاہ گاہی | کہ مے آمد پس از یک سال یک بار
دریغ آں یادِ صحبت ہائے پیشیں | کہ مے شد تازہ از انشادِ اشعار
دریغ آں یادگارِ عہدِ اسلاف | کہ یاد از وضعِ شاں دادے بکردار
قدیماں را نہ راندے از درِ خویش | وگر بودند مجرم یا خطا کار
بعمرِ خویشتن نگرفت گاہے | بجرمے خشم بر خیلِ پرستار
مقرر داشت چوں رزقِ مقدر | بہر کس ہر چہ مے بخشید ادرار
چناں کایزد درِ روزی نہ بندد | بجرمے یا خطائے بر گنہگار

ز حالی گرچہ کمتر بود در عمر — ولے بر بست زینجا پیش از و بار
نگر از ناصبوری چشم بستہ داشت — کہ لختے پیش از ما راند رہوار
ولے چوں جنگ نتواں با قضا کرد — بہ ترکش صبر باید کرد ناچار
ولے از دل نہ گردد یاد او محو — بود تا جانِ محزوں در تنِ زار

قطعہ تاریخ وفات قبل از وقت سیّد محمود علی مرحوم خلف سیّد ببر علی نبیسۂ مہین برادر جناب سر سیّد احمد خاں بہادر رحمہ اللہ کہ از طلبۂ رشید کامیاب محمڈن کالج علیگڈھ بود

زبدۂ اتراب و شمعِ جمع محمود علی — آنکہ در باغِ شبابش بود آغازِ بہار
آنکہ انوارِ نجابت می درخشید از رخش — آنکہ آثارِ رشادش از جبیں بود آشکار
آنکہ در کسب علوم آخر بہ پایاں بُرد راہ — گرچہ آمد سنگ ہا در راہش از لیل و نہار
در ہزار و سیصد و نہ (۱۳۰۹) کرد دنیا را وداع — پیش از آں کز باغِ دنیا ہیچ چیند برگ و بار
پیش از آں کز نخلِ سعی خویش افشاند رطب — پیش از آں کز پائے رہ پیما بر آرد نوکِ خار
پیش از آں کز ثمرۂ تعلیم گشتے بہرہ ور — گل و ماند سرپرستاں را براہِ انتظار
پیش از آں کز عمر و از دولت نصیبے یافتے — ہم نیا را یار گردد ہم پدر را غمگسار
آنکہ بودے چشم یاراں را فروغ از دیدنش — آنکہ گشتے از فراقش خاطرِ یاراں فگار
حیف کز یاراں فراقِ جاودانی برگزید — ناگرفتہ در جہاں چوں قطرۂ شبنم قرار
یارب او را کز جہاں شد با دلِ پُر آرزو — جائے صدیقاں بدہ از لطف در دار القرار

قطعہ بر وفات وزیر الدولہ خلیفہ سید محمد حسن خاں مرحوم وزیر ریاست پٹیالہ

آہ از مرگِ مفاجاتِ وزیر الدولہ
کہ فرو رفت بحیرت خبرش ہر کہ شنید

بر نتابد جگر این داہیۂ دہیا را
کامد از پردۂ تقدیر بناگاہ پدید

فارغ از ماتمِ فرزندِ جواں ناگشتہ
رخت زی منزلِ فرزندِ جواں باز کشید

خلق را بہ نشدہ زخمِ دو تیرِ منکر
کز فلک بر اثرِ این ناوکِ دلدوز رسید

شہر پٹیالہ نہ تنہا بہ غمش نوحہ سرا ست
کہ بہر ناحیہ زین نالہ بلند ست نشید

اے بسا چشم کزین واقعہ خوناب فشاند
اے بسا دست کزین غصہ گریباں بدرید

صبر بر مرگِ عزیزے نتواں کرد آرے
کہ بود فرد در اقران و در امثال وحید

آنکہ در دوستی او در کرم و بذل و سخا
رسم اجداد ز سر کردہ بعالم تجدید

آنکہ ہر گاہ لب از لطف کشادے بسخن
گفتی از خلد نسیم سحری باز وزید

منتش شاملِ ہر فرقہ چہ بیگانہ چہ خویش
لطف او عام بہر کس چہ قریب و چہ بعید

زخمِ مشکل کہ بہ تدبیر شود چارہ پذیر
کز این واقعہ بر دولتِ پٹیالہ رسید

ہمہ عمرش بنکو خواہیِ دولت بگذشت
تا توانست در اصلاحِ مفاسد کوشید

گر بکاوند ہمہ مملکتِ خالصہ را
این چنین صاحبِ تدبیر و خرد نتواں دید

گر از عہدۂ او کس بہ تلافی خیزد
کش بود در کف پے قفلِ در بستہ کلید

در علیگڑھ کہ بنا یافتہ دار العلمے
از مددگاری و یاریش بسے داشت امید

یا وے گم شدہ اند وست عزیزان ہیہات
کہ ز دوراں بدلش مے نتواں باز خرید

ذکر او ماند جاوید درین دار علوم
کش نکو خواستہ تا بود و نکو اندیشید

مُردنش گرچہ بہنگام نبود ست اما / عاقبت روزے ازیں جرعہ ببایست چشید
مُرد و با خویشتن از خلق بجز خیر نہ بُرد / ایں چنیں مرگ نکوتر ز حیاتِ جاوید

قطعہ در نوحۂ وفاتِ جناب مشیر الدّولہ خلیفہ سیّد محمد حسین خاں مرحوم برادرِ خُردِ وزیر الدّولہ مغفور

آہ از مرگِ مشیر الدّولہ آہ / آں عمادِ قوم و رُکنِ خانداں
درسگاہِ قوم را پشت و پناہ / دودمانِ پھول را حرزِ اماں
آں بصورت انسِ و در سیرت ملک / آں بدانش پیر و در ہمت جواں
آں بہ تدبیر و خرد بوذر جمہر / آں بہ حزم و رائے سُولونِ زماں
آں بشورے یک مُشیرِ پختہ کار / آں بہ دیواں یک دبیرِ کارداں
در سیاست از مفاسد برکنار / در دیانت از تعصب برکراں
آنچہ ملت دیدہ است از رحلتش / باغِ خرّم مے نہ بیند از خزاں
آنچہ دولت را رسید از نُہضتش / کم رسد گلزار را از مہرگاں
عمرہا باید کہ خیزد مثلِ او / بجز دے از سرزمینِ پھلکیاں
در کراچی چوں فراقش دست داد / بود گوئی آں فراقِ جاوداں
تا گرفتم ز سیرِ سند آہ / کوسِ رحلت کوفت زیں باغِ جہاں
منتظر بودیم از و پیغام را / کامدہ پیغامِ مرگش ناگہاں
جز نکوئی در خصالِ او ندید / ہیچکس ہم در عیاں ہم در نہاں
در صفا آئینۂ سرّش چوں علن / از ریا پاکش نہاں ہمچوں عیاں

آہ ازاں مخدوم خادم پرورے — مہرباں تر از پدر بر خادماں

آہ آہ آں خواجۂ مہماں نواز — از کرم منت پذیر از میہماں

آہ ازاں در شادی و غم پائدار — آہ ازاں در ناخوش و خوش شادماں

قصہ کوتہ بود یک فرد فرید — کامدہ از وصف او قاصر زباں

از خرد پرسیدمش سال رحیل — گفت سال رحلتش مغفور داں

۱۲۳۶ھ

قطعہ [۵۱]

تو اے کہ رونق پیشینیاں بہم شکست — ز نظم و نثر تو کاندر زمان ما گفتی

چہ نغمہ ہا کہ بہ قانون ذوق سنجیدی — چہ بذلہ ہا کہ بانداز دلربا گفتی

رسید نشۂ عرفاں چو ذکر مے راندی — شگفت خاطر یاراں گر از صبا گفتی

دوید ریشہ بدلہا چو حرف مہر زدی — دمید نخل تمنا چو از وفا گفتی

گہر بہ بزم فشاندی اگر ثنا خواندی — اثر ز لفظ و ماندی اگر دعا گفتی

ہزار عقدۂ سربستہ باز بکشودی — ہزار نکتۂ پوشیدہ برملا گفتی

ز سر تفرقہ و جمع قصہ ہا راندی — ز سیر انفس و آفاق رازہا گفتی

برآمد از دل بیگانگاں ترانۂ ذوق — بہ محفلے کہ سخن ہائے آشنا گفتی

لطیفہ ہا کہ بہ لفظ و بیاں نمی گنجید — تو چوں فرشتہ ز غیب آمدی و وا گفتی

بحق لطف کلاست کہ ہست بر دل ما — کہ پایۂ سخن افراشتند تا گفتی

۵۱ جس موقع پر یہ قطعہ لکھا گیا تھا اُسکے متعلق مفصل بحث یادگار غالب میں درج کر دی گئی ہے۔ اس قطعہ میں مرزا غالب مرحوم کی طرف خطاب کیا گیا ہے۔ اور جو مضامین اس قطعہ میں درج کیے گئے ہیں اُنکا ماحصل بغیر یادگار غالب کے دیکھے اچھی طرح ذہن نشین نہیں ہو سکتا ۱۲

تو اے کہ ہر سخنِ نغزِ تو بدل جا کرد　　جز آں کہ در حقِ حالی برمز وا گفتی
ہر آنچہ گفتہ اندر جوابِ عرضِ نیاز　　خطا بود کہ بگیرم اگر خطا گفتی
ولے بعہدہ از حرف چند با خویشم　　کہ گر نہ گفتہ ام آخر تو از کجا گفتی
عجب کہ قاعدہ دانِ نیازمندی را　　سفیہ و معجب و خود بین و خود نما گفتی
عجب کہ چاشنیِ اندوہ خاکساری را　　رہینِ ذوقِ نوا سنجیِ انا گفتی
عجب کہ مشغلۂ راز نقد ناسرہ اش　　بہ زرق در گروِ عرضِ کیمیا گفتی
نہ راہِ حرف بسوئیست نہ جائے من پیت　　جواب چیست اگر پرسم از کجا گفتی
اگر نہ روئے سخن با تو بود مے گفتم　　چگونہ گفتی و چوں گفتی و چرا گفتی
ولیک شرطِ ادب نیست بر تو خردہ گرفت　　ہر آنچہ در حقِ من گفتہ بجا گفتی

قطعہ دیگر

تو اے کہ عذر فرستادۂ بسے رہی　　سزد کہ جانِ گرامی براں نثار کنم
شکایتے کہ تواں گفت عینِ اخلاصش　　گرم تو دوست شماری ہزار بار کنم
نماند قاعدہ شکرِ بے ریا بجہاں　　اساسِ دوستی از شکوہ استوار کنم
چو شکوہ جز بہ تقاضائے دوستی نبود　　ز غیرِ شکر و شکایت نہ دوستار کنم
سرشتِ پاک و دلِ صاف دادہ اند مرا　　بحرفِ تلخ ولے خالی از غبار کنم
خوش آنکہ ساز کنم از تو شکوۂ بیجا　　تو اعتذار کنی و من افتخار کنم
خوش آنکہ عذرِ تو چوں در کند مرا بزمیں　　و گر بہ پیشِ تو تمہیدِ اعتذار کنم
براں سرم کہ اگر مرگ اماں دہد زیں پس　　ق　　ز کارہائے جہاں خاصہ ایں سہ کار کنم
ز کردہ توبہ نمایم ز گفتہ استغفار　　و گر سپاس تو پنہان و آشکار کنم

ترجیع بند

مرثیہ نواب مختار الملک سر سالار جنگ میر تراب علی خاں مرحوم مدار المہام سرکار عالی نظام کہ از طرف کمیٹی تعلیمی مدرسۃ العلوم علیگڈھ اشاعت یافتہ

وحشت ہر کس نزبان حسرت مختار الملک
کامد از در خبر رحلت مختار الملک

تا چہ افتاد پس از نہضت مختار الملک
بر سر حشمت و جمعیت مختار الملک

اے اجل گر تن بیجاں تہ خاکش سپری
نتوانی کہ نکو نامیش از یاد بری

لشکر از ماتم او چاک گریباں شدہ است
کشور از مردن او یکسرہ ویراں شدہ است

اے بسا چشم کزیں حادثہ گریاں شدہ است
حیدرآباد تو گوئی ہمہ بے جاں شدہ است

اے اجل گر تن بیجاں تہ خاکش سپری
نتوانی کہ نکو نامیش از یاد بری

منتے ہست ازو بر سر سرکار نظام
کہ بشکرش نتواں کرد بصد سال قیام

ہم ازو یافتہ عدلیہ و مالیہ قوام
ہم بدو لشکر و ضبطیہ پذیرفت نظام

اے اجل گر تن بیجاں تہ خاکش سپری
نتوانی کہ نکو نامیش از یاد بری

آہ کایں درد نہ دردیست کہ درماں دارد
تا کساں زیں اثر لرزہ در ارکاں دارد

قوم ازیں واقعہ انگشت بدنداں دارد
تا فلک در پس ایں پردہ چہ پنہاں دارد

اے اجل گر تنِ بیجاں تہ خاکش سپری
نتوانی کہ نکونامیش از یاد بری

چشم اسلام ازیں غصہ بجوں ترگردید   ملت از حالت پیشینہ زبوں ترگردید
علم و دیں کہ نگوں بود نگوں تر گردید   قیمتِ خواجہ پس از مرگ فزوں ترگردید

اے اجل گر تنِ بیجاں تہ خاکش سپری
نتوانی کہ نکونامیش از یاد بری

دوست تا دشمنِ او زد طمعِ یاری داشت   ملک از نیروے تدبیرش استواری داشت
دولتِ عہد از و چشمِ وفاداری داشت   گردنِ قوم ز احسانش گرانباری داشت

اے اجل گر تنِ بیجاں تہ خاکش سپری
نتوانی کہ نکونامیش از یاد بری

آہ ازاں بذل و سماحت کہ نیابیش ہمال   آہ ازاں عقل و کفایت کہ نہ بینیش مثال
سپس از ہند چنیں مرد نہ خیزد صد سال   خاصہ از قوم کہ افتاد دراں قحطِ رجال

اے اجل گر تنِ بیجاں تہ خاکش سپری
نتوانی کہ نکونامیش از یاد بری

در علیگڈھ کہ نہادند عزیزاں بنیاد   درسگاہے کہ ز طوبےٰ ثمرش باد زیاد
تا بہ گیتی بود ایں قصر ہمایوں آباد   خلق صد یاد جوانمردیِ او خواہد داد

اے اجل گر تنِ بیجاں تہ خاکش سپری
نتوانی کہ نکونامیش از یاد بری

کیست در ہند کزیں غم لبِ حسرت نگزید   کیست از قوم کزیں غصہ گریباں ندرید

تا بہ جائیکہ چو این نالۂ جانکاہ شنید　　حالیؔ گوشہ نشین ہم ز جگر آہ کشید

اے اجل گر تنِ بیجاں تہِ خاکش سپری
نتوانی کہ نکونامیش از یاد بری

قصیدہ در تہنیت عید الفطر بجناب نواب سر آسمان جاہ بہادر مرحوم

صد چنیں روز و شب بکامِ تو باد　　صبحِ نوروز و عید شامِ تو باد
عیدِ سالِ ہزار و سیصد و شش　　بر تو فرخندہ و بکامِ تو باد
شاہ نامیدہ آسماں جاہت　　آسماں مفتخر ز نامِ تو باد
شاہ کِت ملک را سپردہ عِناں　　نظمِ او قائم از قیامِ تو باد
شاہ از رائے تُست فارغ بال　　خلق خرسند از نظامِ تو باد
آرزو ہاست زندہ از کرمت　　فتنہ ہا مُردہ از حُسامِ تو باد
گنج معمور و مُلک آبادان　　از بقائے شہ و دوامِ تو باد
قصر والا اساسِ مُلکِ نظام　　محکم از پُشتیِ نظامِ تو باد
ہر کہ در چارسوئے ملکِ نظام　　خیرہ و سرکش است رامِ تو باد
شرمساری عقوبتے است عظیم　　عفوت از خصم انتقامِ تو باد
در سیاست گرہ بر ابرویت　　خوشنما ہمچو لطفِ عامِ تو باد
برقِ تیغِ تو خشک و تر سوز ست　　یارب آں برق در نیامِ تو باد
عدل زانسانکہ وجہ ہمتِ تُست　　ہمہ در ضبط و اہتمامِ تو باد
در قضایائے صعب ملت و دیں　　شرعِ خیر الورٰے امامِ تو باد

در امورِ عظامِ دولت و ملک | بخداوند اعتصامِ تو باد
مقصدِ خلق طوفِ درگہِ تست | پرسشِ حالِ شان مرامِ تو باد
ساز و برگِ دعائے مظلوماں | مایۂ عیشِ مستدامِ تو باد
بر زباں خلق را ستایشِ تست | در دلِ خلق احترامِ تو باد
اے مدار المہامِ ملکِ دکن | فتح دہا خود از مہامِ تو باد
تا بنوشند بادہ اندر جام | بادۂ خوش دلی بجامِ تو باد
تا فشانند دانہ در تہ دام | دلِ عالم اسیرِ دامِ تو باد
ہر شمیمے کہ ناگوار آید | دور پیوستہ از مشامِ تو باد
ہر نسیمے کہ از جناں خیزد | طرب انگیز در خیامِ تو باد
در جہاں ہر کہ ہست چوں حالی | طالبِ کام و نازو نامِ تو باد

قصیدہ در تہنیتِ عیدِ اضحی بجنابِ نواب آسمان جاہ بہادر مدار المہام کار عالی نظام

عیدِ اضحٰی کہ قریں باد و رود ش ظفر | باد برخواجہ ز عیدِ رمضاں فرخ تر
نائبِ السلطنہ نواب بشیر الدولہ | عمدۃ الملک فلک جاہ امیر اکبر
آنکہ بر پا شدہ از نظم و سیاست ہمہ | کز پئے ملک سپر بودہ ز ہر فتنہ و شر
آنکہ از لطف و کرم کردہ رواں شہر و دے | کہ خس و خار الم برد بروں از کشور
آں سپہرِ شرف و مجد کہ در جاہ و جلال | پایہ اش برتر از آن است کہ گنجد بفکر
آں سپر اوج کرامت کہ زوالا گہری | بے نیاز آمدہ از ملح چو ماہ از زیور

ق

صاحبا عادتِ قومیست که در مدح و ثنا / هر یکے ساز کند نغمه به آهنگِ دگر
آں یکے جز به مدیحت نه کشاید لب با / تا بداند که جز مدح ندارد در سر
واں دگر پیشتر از مدح ستاید خود را / تا فریبد دلِ ممدوح به اظهارِ هنر
جمعے از شکوهٔ گردوں سخن آغاز کنند / که شکایت بود از شکر بدل گیراتر
قومے از مدح گرایند به تشبیب و غزل / کز نمک چاره نباشد چو بخورند شکر
بعد ازیں طائفه باشند که در وقتِ مدیح / دمبدم حسنِ طلب جلوه دهند از هر در
گر قصیده ست و گر تهنیت این ست شعار / نکته سنجاں را و ز مدح عزیزاں یکسر
منکه جز خواجه کم آلوده ام اندر همه عمر / دهنِ خویش بمداحیِ ممدوحِ دگر
لاجرم خامه دریں مرحله نابلد ست / که نداند که چساں طے کند ایں راهگذر
تهنیت خود سخنے بیش نباشد که درو / چوں بگویند مکرر نبود هیچ اثر
در بحرِ محمدتِ خواجه نه راند حرفے / بتملق کنندش و بهر شهر سمر
ور بعرضِ هنرِ خویش دکاں بکشاید / ایں خرافت نبود طبعِ زباں را درخور
ور به تشبیب و غزل روئے سخن آراید / نیست ایں زمزمه با جز به جوانی اجدر
ور نهد بر طلبِ جائزه بنیادِ کلام / کرده باشد مگر از شرم و حیا قطعِ نظر
آنچه از مائدهٔ فیضِ تو ادرار خورد / وانچه از نعمتِ تو بهره برد شام و سحر
دل رضا چوں دهدش کز تو عوض دارد چشم / بر سپاسے که ازاں هیچکش نیست مفر
خامه زینجاست که از غایتِ حیرت زدگی / اندریں مرحله نشناخته پا را از سر
پس هماں به که کند ختمِ سخن را بدعا / که دمِ عجز نیاید به دعا مدحت گر
تا کنند اهلِ سخن مدحِ ملوک و وزرا / تا ملوک و وزرا مرجعِ فضل اند و هنر

باد اوصافِ تو از مدح و ثنا مستغنی — گرچه باشند به مدح تو عزیزان مضطر
باد در سایهٔ محبوب علیخان ایمن — دولتِ آصفی از هر حدثِ فتنه و شر

قطعه در سپاس لطف و کرم جناب کرنل هالرائڈ و قتیکه عنان ادارهٔ تعلیم پنجاب در دست ایشان بود

اولاً شکر آنکه فرمودی — حاجتِ بنده بی دریغ روا
ثانیاً عذر آنکه چندین بار — آمدم از پی صداعِ شما
آن شنیدی که گفت افلاطون — رنج بُرد آنکه در نکوئیها
رنج او عاقبت به پایان رفت — لیک نیکی همیشه ماند بجا
راست گویم گزاردن نتوان — حقِ لطفی که کردهٔ بر ما
می کنم ختم بر دعا گفتار — که نیاید ز بنده غیر دعا

ترتیب ماه های جلالی در نظم

آذر و دی بهمن اسفندار فروردین بهشت — باز خرداد است و تیر است امرداد ای جوان
باز شهریور سپس مهر است و آبان بعد از و — هر یک از ماهِ جلالی پیش تو کردم بیان

فرد

چیدند خوان نعمتی چون سیر شد دل از جهان — دادند آب زندگی اما پس از نزعِ روان

شکریہ مسٹر وٹن افسر محکمہ پرمٹ از طرف عزیزی انشاء اللہ خاں مرحوم دہلوی

فرزانہ امیر داد گرو ٹن — کز داد و کرم زمانہ بنواخت
دستش بگرفت و زود برداشت — آنرا کہ فلک ز پا برانداخت
بنواخت بقدر پایۂ او — آں را کہ زمانہ قدر نشناخت
اصلاح ادارۂ نمک کرد — زانساں کہ ز ہر خلل بپرداخت
آوازہ فگند دار و گیرش — زاں گونہ کہ دزد زہرہ درباخت
ناخواستہ کامِ ما روا کرد — ناساختہ کارہائے ما ساخت
از فیضِ نیازمندیِ اوست — انشا کہ ز ناز سر برافراخت

قطعہ بر طبع دیوان منشی اقبال حسین صاحب متخلص بہ عاشق

جواں مرد آزادہ عاشق کہ نیست — در اقرانِ خود کس مر اُو را قریں
نہ صیاد و ہموارہ از حُسنِ خُلق — پئے صیدِ آزادگاں در کمیں
نہ سحار و پیوستہ ز افسونِ نُطق — کشد ز آشیاں باز و شیر از عریں
ہمے بارد از جبہہ اش انبساط — اگر مہربان ہست و گر خشمگیں
نہ بینیش گہ سر کہ بر ابرواں — نہ یابیش افتادہ چیں بر جبیں
دو سال ست کافسون مہر و فاش — ربودست صبرم ز جانِ حزیں
دلے دیر پیوند نا آشنا — کہ بودست فارغ ز مہر و ز کیں
ندانم کہ عاشق چہ افسوں دمید — کہ در باخت خود را بمہرش چنیں

سررشته هیهات دادم ز دست — سخن زاسمان بود و رفت از زمین

کنون رانم از طبع دیوان سخن — که شد جلوه فرمای نوعی گزین

درین روزها کز صروف زمان — سخن شد نهان و سخنور مهین

عروس سخن سے نیرزد به جو — به حسن ار بود غیرت حور عین

صد آباد بر عاشق و عزم او — که در دور ناسازگارے چنین

ز معنی به بیگانه و آشنا — فشاندست گنجینه از آستین

قصیده در شان جناب مستطاب هز مجسٹی امیر حبیب الله خان والی دولت خداداد افغانستان خلد الله ملکه. وقتیکه برائے ملاحظه مدرسة العلوم در علیگڈھ نزول اجلال فرموده بودند. این قصیده در مواجهه ایشان خوانده شده بود

اے رسد گر فرق عزت بگذرد از فرقدان — میزبانے را که شاهے چون تو باشد میهمان

گر به رقص آید در و دیوار کالج دور نیست — زین طرب کامد به دیدارش امیر کامران

دولت بیدار شفقت ها که شد مهمان ما — چون تو مهمان عزیز قیصر هندوستان

زنده کاش امروز بودے بانی این درسگاه — تا بدیدے پایه اش بالاتر از وهم و گمان

تا همه امیدها کاندر دل خود بسته بود — از قدوم شه بچشم خویشتن دیدے عیان

اے سراج ملت و دین اے امیر ابن امیر — اے چه باب نامدار خویش شاهے کاردان

سنگ ها کاندر ره تعلیم قوم آمد به پیش — داستان عبرت انگیزش نگنجد در بیان

قصه کوته جهل و دانش سالها در جنگ بود — جهل میکوشید تا نگذارد از دانش نشان

دولتِ ہند ار نہ بودے حامیِ ایں درسگاہ — کوششِ بانی ہمہ برباد رفتے بے گماں
شکر للہ کز میاں برخاست آں جنگ و خلاف — جملہ بربستند بر امدادِ ایں کالج میاں
عاقبت مقبولیِ کالج بدیں غایت رسید — تربیت گاہِ غریباں شد گزرگاہِ شہاں
شکر ایں کہتر نوازی کز قدومِ خویشتن — اہلِ کالج را فزودی آبرو و عزت و شاں
گر نویسد پارہ زاں نیست یارائے قلم — ور بگوید اندکے زاں نیست نیروئے زباں
پس ہماں بہتر کہ گردد بر دعا ختمِ سخن — زانکہ ناید جز دعائے خواجہ از ما بندگاں
تا ز تعلیم است و تلقینِ دین و دنیا را فروغ — تا بود وابستہ با علم و عمل نظمِ جہاں
ملتِ افغاں ز تدبیرِ تو اندر علم و فن — گوئے سبقت بردہ۔ باد از جملہ ابنائے زماں
آں چناں کز نوعِ خود در زور و طاقت برتر است — ہمچناں در علم و حکمت باد ممتاز از جہاں
تا بود خیر و صلاحِ خلق در صلح و وفاق — تا نہالِ دوستی بار آورد امن و اماں
اتحادِ دولتِ ہند و خداداد۔ امیر — باد مستحکم بسانِ اتحادِ جسم و جاں

در شکر یادآوریِ عالیجناب ہز ہائنس امیر الامرا آنریبل نواب سر حامد علیخاں بہادر مستعد جنگ والیِ ریاستِ رامپور دام اقبالہم

کیست یا رب کز دلِ آزادگاں — موجِ او جوشد چو از فوارہ آب
کیست کز ذکرِ جمیلش در جہاں — ہر کسے نادیدہ پیچد اندر تاب
کیست کز ذوقِ ستایش در رود — خامہ مے رقصد چو برق اندر سحاب
کیست کز صیتِ نوالش چار سو — تا نشاں را در دہن گردیدہ آب
کیست کز رویش بر افگند گر نقاب — گوئی از مشرق بر آمد آفتاب

کیست کز خویش اگر حرفے رود — دفتر اخلاق شوئی باب باب
کیست کز وصفش اگر جوئیش نام — در زماں بر دل فرود آید جواب
شہ نشاں حامد علیخاں آنکہ نیست — جز بمو وارے ز رویش ماہتاب
روئے او نور ضمیرش را گواہ — رائے او روے ضمیرش را جواب
خوئے او آمد دلیل خوئے او — گر دلیلے بایدت زو رو متاب
کیست کز اکسیر اگر پرسی نشاں — بشنوی خاک درش از دل جواب
چوں ز خلوت پا نہد در جلوہ گاہ — یا کند در بزم جمعے را خطاب
چشمہا از گوشہا سبقت برد — گوشہا بر چشمہا آرد شتاب
بر دو رہ گوئی بہ آب زندگی — ہر کہ از لطف کلامش کامیاب
جاوداں ماندہ ز راحت بے نصیب — ہر کہ از اعراض او در پیچ و تاب
بر دلم نادیدہ بندد مہر اوست — اے خوش آں روزے کہ برخیزد حجاب
مہرباں بر خود گماں نقش کردہ ام — تا چہ تعبیر آرد ایں فرخندہ خواب
اے سلف را میوہ نخل امید — وے نیاگاں را دعائے مستجاب
در جہاں باشی سلف را جانشیں — تا خلف زیشاں بود نائب مناب
نام آبا زندہ باد از نسبتت — تا پسر جوید ز آبا انتساب
تا حساب از عمر و از دولت کنند — دولت و عمر تو بادا بے حساب

سلہ مسند نشینی کے چند سال بعد نواب صاحب نے خاکسار کو رامپور میں یاد فرمایا تھا۔ اُس وقت اول یہ قطعہ بھیجا گیا تھا اُسکے بعد راقم خود

ترکیب بند

مرثیۂ جناب مستطاب جواد الدولہ عارف جنگ ڈاکٹر سر سید احمد خاں غفرلہٗ ۱۳۱۵ھ

بند اول

آہ ازیں تیر گذار اکز کماں انداختند — آہ کز یک زخم قومے نیم جاں انداختند
اے عجب کز رحلت فردے ز افراد بشر — عالمے را از قیامت در گماں انداختند
اے عجب کز مُردنِ یک پیر مرد سالخورد — تاب تب در کودک و پیر و جواں انداختند
اے عجب کز سوز اندوہ وفات مسلمے — مردمِ ہر کیش را آتش بہ جاں انداختند
سیّد اندر قوم نقدے بود اندر کیسہ — کیسہ خالی ماندہ و نقد از میاں انداختند
قوم را سرمایۂ مجد و علا از دست رفت — بعد ازاں کایں گنج را در خاکداں انداختند
نو بہار آید دگر در باغِ قوم امید نیست — بعد ازو طرحِ خزانِ جاوداں انداختند
تا قیامت گوئی از تاراجِ ما فارغ شدند — کایں مصیبت بر سرِ اسلامیاں انداختند
اہلِ دیں بے یاور و دینِ سکیں بے یار ماند — ہر کجا ایں آوازہ در ہندوستاں انداختند

رفت و با خود رونقِ بزمِ مسلمانی ببرد
ملّت از مرگش بہ پژمردہ مسلمانی ببرد

بند دوم

آہ آہ از مرگِ دہر آشوب سیّد آہ آہ — آنکہ در ہنرہا بلا ئم قوم را بودے پناہ
عہد یاری کاو بملک دین و دولت بستہ بود — تا زتن جاں بر نیامد داشتے دائم نگاہ
مشکلِ یاراں اگر بودے ہمہ طوفانِ نوح — بر مثالِ کشتیِ نوح اندر و کردے شناہ

عمرہا کوشید تا شوید غبارِ سوءِ ظن — گر نشیند از رعیت بر دلِ ارکانِ شاه
چاره ہا انگیخت تا طرحِ صداقت افگند — در میانِ حاکم و محکوم و سالار و سپاه
(دوستی ۱۲)
کاروانِ قوم دور افتاده بود از راهِ راست — رفت و از بے راہہ برگرداند و آوردش براه
در مصافِ دہر بودن دین و ملت را سپر — حج او این بود و اینش صوم و این بودش صلوٰة
(جنگ ۱۲)
سید القوم است ہر کس قوم را خدمت کند — خدمتِ او بہ سیادت بس بود او را گواه
گرچه از ما مے تواند صد چو سید آورد — آنکه لعل آرد ز سنگ و لاله از خاکِ سیاه

لیک قومے کز فراز اندر نشیب افتاده اند
باز ہرگز در نیابند آنچه از کف داده اند

بند سوم

میتواں در فضل و دانش شہرهٔ دوراں شدن — در فصاحت ہمچو سحبان و در حکمت لقماں شدن
میتواں در جاه و ثروت گوئے از قاروں بُرد — میتواں در زہد و طاعت غیرتِ صنعاں شدن
میتواں در ملک و دولت خسروِ پرویز گشت — میتواں در زور و طاقت رستم و دستاں شدن
میتواں قطبِ زماں شد میتواں شد غوثِ وقت — ہر چه خواہی میتوانی شد بجز انساں شدن
چیست انسانی تپیدن از تپِ ہمسائگاں — از سمومِ نجد در باغِ عدن پژماں شدن
خوار دیدن خویش را از خواریِ ابنائے جنس — در شبستاں تنگ دل از محنتِ زنداں شدن
آتشِ قحطے که در کنعاں بسوزد باغ و کشت — بر فرازِ تختِ مصر از تابِ آں بریاں شدن
زیستن در فکرِ قوم و مُردن اندر بندِ قوم — گر توانی میتوانی سید احمد خاں شدن
میتواں مقبولِ عالم گشت اما ہمچو شیخ — بہر سودِ خلق مردودِ جہاں نتواں شدن

جورِ اخواں دیدن و در عشقِ اخواں زیستن

زخمِ پیکاں خوردن و مشتاقِ پیکاں زیستن

بندِ چہارم

ورزشِ جمعے بہ تقلید اسپِ ہمت تاختند — لیک چوں رفتند گامے چند، دل در باختند
زود دانستند کایں سودا نہ ہر سر را سزد — اہلِ دعوے کاندریں میداں علم افراختند
کارِ کارِ شیر مرداں ست کز سوزِ دروں — بزم را افروختند و شمع ساں بگداختند
سیّل از رہ تا دمِ آخر عناں را برنتافت — گرچہ در راہش بسے خار و خسک انداختند
بود یاراں را سپر تا بود۔ در ہر شور و شر — لیک یاراں بر سرش تیغِ جفا مے آختند
خواجہ در فکرِ صلاحِ دین و ملت درگذشت — لیک اہلِ دین و ملت قدرِ او نشناختند
جز ملامت ہیچ نشنودند مُزدِ خدمتش — چوں بنامش قرعہ در روزِ نخست انداختند
آنچہ از عالم ندیدستند جز جور و جفا — آں جواں مرداں کہ کارِ اہلِ عالم ساختند
آدمی وانگہ ز قومِ مردہ خیزد اے شگفت — کایں جہانِ مردمی زیں آب و گل چوں ساختند

حیف کاندر جمعِ مستاں ہوشیارے بود رفت
وز زمینِ شور نخلے باردارے بود۔ رفت

بندِ پنجم

گوئے از گردش فرو ماندہ ست چوگاں را چہ شد — کشتی از جا مے نہ جنبد، موجِ عمّاں را چہ شد
دہ بہ ویرانی کشید و قسمت۔ و دہقانش کجاست — گلہ سرگرداں شود و دست چوپاں را چہ شد
چیرہ شد سہرابِ وراں، رستمِ دستاں کجاست — یافت فرصت اہرمن، مُہرِ سلیماں را چہ شد
تارکِ ہر کس ندارد تابِ گُرزِ روزگار — برنمیتابد سرے ایں پُتکِ سنداں را چہ شد
قوم را بیمِ عتاب و چشمِ رحم از کس نماند — آں لبِ نفریں سرا، آں چشمِ گریاں را چہ شد

پند ایں شیریں بیاناں نمیگیرد بہ دل ۔۔۔ آں زبانِ تلخ گو ۔ آں تیغِ عریاں راچہ شد
شد خزان وانہ بہاران نیست یاراں راخبر ۔۔۔ آں بہارِ بے خزانِ بزمِ یاراں راچہ شد
دل گرفت از خندہ گل تا ببست از خندہ لب ۔۔۔ آں کلیدِ قفلِ دل آں لعلِ خنداں راچہ شد
آں کہ مے بخشید جاں آں بادِ نوروزی کجاست ۔۔۔ آنکہ مے بارید دُر آں ابرِ نیساں راچہ شد

اے علیگڈھ آنکہ کردت شہرۂ در امصار کو
آنکہ از خاکت بگردوں برد آں معمار کو

بند ششم

آنکہ از اں در بیشۂ صدق و صفا شیر ژیاں ۔۔۔ آنکہ در سر و علن بودش یکے دل با زباں
آنکہ چوں دریا نبودے تیرہ از بارانِ سنگ ۔۔۔ آنکہ از عزمش نہ گشتے صورتِ کوہِ گراں
بود در ہمت نہ با بخت مُتَّہَم از راستی ۔۔۔ (یعنی از عزم خود ۱۲) آں کسے ایں باشد دریں عالم سزائے ریستاں
یار جز علمش نبود و علم دانی نادر است ۔۔۔ ایں چنیں بے کس سفر کرد جہل پر از دو جہاں
بعد سیّل کز جفائے قوم گذشت از وفا (قلیل الوجود ۱۲) ۔۔۔ کیست تا باشد برایں نامہرباناں مہرباں
خانہ اش دانی یکے مہماں سرائے قوم بود ۔۔۔ کیست مرایں میہماناں را ازیں پس میزباں
بعد از و کایں دشت را گلزار کرد و رفت کیست ۔۔۔ ایں بنا ہارا ضماں ۔ ایں باغہارا باغباں
سعی ما مشکل کہ بعد از خواجہ ما نا برقرار ۔۔۔ (کفیل ۱۲) جنبش از لعبت مجو ۔ لعبت چوں رفت از میاں
جیش را فقدانِ سر عسکر خطر دارد خطر ۔۔۔ (تپلی ۱۲، بازیگر ۱۲) گلہ را بگسستن از چوپاں زیاں اندر زیاں

سہروان را بعد ازیں یارب نگہباں کیست
دیگر ایں بے دولتاں را یار و دلخواہ کیست

بند ہفتم

دوستان از مرگ نبود چاره وز فرقت مفر — چون زنان تا چند بودن بهر سهیل نوحه گر

جای استقلال وقت همت و مردانگی ست — کاین بلای ناگهان را نیست جز همت سپر

ور غم سهیل اگر از فرض خود غافل شدید — این مصیبت را هست صد چندین مصیبت بر اثر

خواجه دار العلمی از بهر شما بگذاشته است — تا بود نسل شما از علم و دولت بهره ور

کوه ها کنده است تا این جوی شیر آورده است — بو که آب رفته در جوی شما آید ز سر

ترسم این سرچشمه گردد تیره از سنگ خلاف — هان و هان وقت است وقت اتفاق همدگر

عزم جزم آرید و برخیزید و همدستان شوید — دست بگشائید و بربندید دامن بر کمر

شصت لکین هست و رهمدستان توحید گجی — وه که چندین خلق در مانند ز کار یک نفر

یادگار خواجه بعد از خواجه بر پا داشتن — شکر او را خوب‌تر زین نیست اسلوبی دگر

مزد او این بس که در اصلاح خود کوشید زود
کز شما غیر از شما مطلوب او چیزی نبود

قطعه در شکر صحت یابی شمس العلما مولانا شبلی نعمانی

للّٰه الحمد پس از ناخوشی و رنج دراز — شبلی ما بمراد از سر بالین برخاست

آنکه نامش بکمالات سمر در گیتی است — آنکه مشهور در آفاق بشمس العلماست

آنکه گر سر کند افسانهٔ فضل و هنرش — نامه مشکل که بپایان برسدش بی کم و کاست

آنکه خوانندش اگر فخر زمان خود و بس — گروه باشند عدول اهل سخن از ره راست

بود در علت او علت قومی مضمر — لاجرم صحت او بهر همه قوم شفاست

بسکه او روح دمیده است بتاریخ سلف — هر قدر فخر بذاتش بکند قوم رواست

زندہ تا دیر بمانا د کہ بر قدر کسے بعد ازو خلعت تحقیق نمے آید راست

عید ی شب برات

تعالی اللہ شبے کاید دریں شب کساں را مقبل و مدبر نماید
اگر اقبال خواہی بندگی کن کہ حلوا خوردنی را روئے باید

قطعات تاریخ و مختلف مادہ ہائے تاریخ

قطعہ تاریخ طبع دیوان میر مہدی مجروح دہلوی

مجروح آنکہ نام سلف زندہ است ازو ذاتش بود غنیمت کبرے دریں زماں
دہلی کہ بود کان ہنر معدن کمال امروز از کمال نیابی در او نشاں
جمعے کہ داشت سر بفلک از وجود شاں راندند سوئے جنت ماوے یگاں یگاں
وانانکہ ماندہ اند ازاں جمع یادگار لبیک مے زنند اجل را زماں زماں
غالب برفت نیر و آزردہ رفت و ذوق مومن برفت و حسرتی و عارف از میاں
رفتند و جائے خود ہمہ خالی گزاشتند کس برنخاست تا بنشیند بجائے شاں
مجروح ماندہ است ازاں جمع یادگار یارب بدار از بد دوراں نشں درا ماں
کایں عندلیب قصہ ہمی خواند از بہار ویں گل خبر ہمی دہد از عہد گلستاں
دیوان او کہ ریختہ را دُرِّ آخر است خوش میسزد صلائے بخبر لقیان نکتہ دل
کایں مے کہ داگذاشتہ خیر و میرزا است مے بخشش بہر جگر تشنہ رائگاں

القصہ چاپ گشتہ و ارزاں شد آں متاع | کانرا بہ نقدِ عمر خریدیں بہیتوں
پرسد اگر کسے ز تو تاریخ حالیا | گو نظمِ دلفریب بود سالِ طبعِ آں
۱۳۱۶ھ

تاریخ بنائے مکان سید عوض علیؒ مرحوم رئیس جارچہ ضلع بلند شہر
کہ حسبِ فرمائش برادر عزیز الوجود سید فیاض حسین مرحوم نوشتہ شد

کرد سید عوض علی تعمیر | ایں شبستاں برائے نزہتِ دل
چوں بہ پایاں رسید ہاتف گفت | سالِ ہجریش ان ظفر منزل
۱۳۰۷ھ
پس بگو لفظ بے مثال فزوں | تا شود سالِ عیسوی حاصل
۵۸۳ + ۱۳۰۷ = ۱۸۹۰ء

قطعہ تاریخ تعمیر مسجد واقع سونی پت کہ باہتمام خواجہ محمد علی مرحوم
خطیب پانی پت و اصل باقی نویس تحصیل سونی پت تعمیر یافتہ

محمد علی آں مددگارِ حق | کہ از مال و جاں ہست بردیں فدا
کمر بستہ بر یاریِ اہلِ دیں | بہ تعمیر ایں جامعِ دلکشا
پے آنکہ زیں عہدہ آید بروں | کشیدہ بسے ماہ رنج و عنا
دگر جمعے از حق پرستانِ شہر | دریں کار با او شدہ ہمنوا
چو سالِ بنایش بجستم ز دل | بگفتا۔ چہ خوش کر مسجد بنا
۱۳ ھ ۹۳

تاریخ وفات محمد ابراہیم جواں مرگ طالب علم بی اے کلاس ایلی کالج

محمد براہیم چوں ترک جاں گفت | ز نخلِ جوانی ثمر بر نخوردہ

بگفتم زروئے الم سالِ فوتش	بجاں آفریں جان شیریں سپرد
۱۲۹۲ × ۱ ۱۲۹۳ ھ

تاریخ بہ پایاں رسیدن بنائے سید مہربان علی مرحوم رئیس گلاؤٹھی ضلع بلند شہر

علی آں سیدِ والا کہ باشد	بنامش مہرباں جزوے زاجزا
بود با ذاتِ او توام سیادت	چناں کز نام او مہر است پیدا
چو ایں کاشانہ را بنیاد بنہاد	بعہدِ حاکم بیدار و دانا
گرو ہیں آں فیض گستر کز وجودش	شد ایں معمورہ چوں گلشن سراپا
چنیں گفتمش حالی سالِ تعمیر	مکانِ بےنظیر آباد بادا

۹۹ ۱۲

تاریخ اورنگ نشینی حضور آصف جاہ نظام الملک سادس میر محبوب علیخان بہادر فرمانروائے ملک دکن خلد اللہ ملکہ

بہ سالِ فرخ و ماہ سعید و روز فرخندہ	نظام الملک محبوب علیخاں آصفِ ثانی
بہ تختِ سلطنت بنشست حالی گفت تاریخش	برائے وے مبارک تاج و اورنگِ جہانبانی

۱ ۱۳

تاریخ رحلت جناب نواب ضیاء الدین احمد خاں صاحب مرحوم دہلوی رئیس لوہارو[1]

درواکہ ضیاءِ دینِ احمد بربست	رخت سفر از جہاں کہ جائے الم ست
از طاق و ز ایوان و ز بزم و جلِ	بگسستہ برحمتِ الٰہی پیوست

۹۲۹ ۱۱۰ ۶۸ ۴۹ ۹۴ ۶۹۴

[1] یہ تاریخ اس طرح نکلتی ہو کہ ۹۲۹ میں سے جو کہ ضیاء دین احمد کے اعداد ہیں ۳۲۱ جو کہ طاق (۱۱۰) - ایوان (۶۸) - بزم (۴۹) و جل (۹۴) کے اعداد کا مجموعہ ہے تخرجہ کر کے باقی ۶۰۸ کو ۶۹۴ میں جو کہ رحمت الٰہی کے اعداد ہیں ملانے سے ۱۳۰۲ حاصل ہوتے ہیں اور یہی ... ۱۱۰ + ۶۸ + ۴۹ + ۹۴ ... ۶۰۸ + ۶۹۴ = ۱۳۰۲ ...

تاریخ بنائے مہماں سرائے در موضع موں واقع پنجاب بحساب سال عیسوی

بجز کرم آں وزیر چند کہ باقی ست　　نام بزرگاں موں بذل و نوالش
ساختہ منزلگہے چو بہر غریباں　　تکیہ گہ ہر غریب آمدہ سالش

۶۷　۱۸

تاریخ بنائے باغ در موضع تسہ ضلع مظفر نگر ترتیب دادہ سید فیاض علیخاں رئیس تسہ

رئیس نامور فیاض علیخاں　　کہ نتواں کرد وصف او ز صد یک
بہ تسہ طرفہ باغے طرح انداخت　　کہ در خوبی زند بر خلد چشمک
چو حالی سال ترتیبش ہمے جست　　خرد فرمود باغ نو مبارک

۲۲　۱۳

قطعۂ تاریخ تعمیر چاہ بنا کردہ سید محمد ذکی رئیس سونی پت

بکند چاہ چو سید ذکی بہ سونی پت　　ز خاک جوشش بزد آب صافی و شیریں
ندا رسید ز ہاتف بگوش حالی را　　کہ ہست سال بنا چشمۂ بہشت بریں

۱۷　۱۳

قطعہ بر وفات مولوی چراغ علی مرحوم

آہ آہ از رحلت بے گاہ اعظم یار جنگ　　کز میان رہ زہمراہاں عناں پیچید رفت
حیف دنیا را بہ پنجہ سالگی کردہ وداع　　بزم ما را بزم ماتم باز گردانید رفت
مستفیداں پُر نہ کردہ دامن معنی ہنوز　　مشتے از گنجینۂ لعل و گہر پاشید و رفت
از سحاب فیض کلکش ناشدہ سیراب خلق　　ساعتے برق یمانی از افق تابید رفت

عقدہا نکشودہ ماند نکتہ ہا نانوشتہ ماند　　بہر جوئے شیر کوہِ بے ستوں کندید و رفت

کرد بے آزارِ خلق اعمالِ سلطانی ادا　　نے ز کس رنجیدہ و نے کس را برنجانید و رفت

یاورانِ قوم را تا زیست یاور بود و یار　　ہر چہ بتوانست در تائید شاں کوشید و رفت

از دلِ پُر دردِ او گاہے صدائے بر نخاست　　مدتے چوں بحر کاہل در نہاں جوشید و رفت

طبعِ آزادش بہر ملت کہ بینی صلح داشت　　در دلِ خویش و دلِ بیگانہ در گنجید و رفت

گر نزید صد سال کس انجام او مرگ است و بس　　چوں شرر بر صحنِ دوراں یک تواں خندید و رفت

قطعہ تاریخ وفات جناب خواجہ کرامت علی صاحب مرحوم جو حافظ محمد یعقوب صاحب مجددی کی فرمایش سے لکھا گیا تھا

شد کرامت علی زدارِ فنا　　ماند خلقے بہ گریہ و زاری

مغفرت وقفِ روحِ خواجہ کہ او　　یافت رحلت بہ سالِ غفاری ۱۲۹۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نثر فارسی

دیباچہ سفرنامہ حکیم ناصر خسرو متضمن سوانح عمری حکیم موصوف کہ بخلاف تذکرہ نگاران پیشین حقائق واقعیہ از سفرنامہ و دیوان شعر او استنباط کردہ بصحت ہر چہ تمامتر نوشتہ شدہ است

صاحب ایں سفرنامہ حکیم ابو المعین ناصر بن خسرو علوی از شعرائے قدیم خطہ خراسان ست کہ بعلاوہ شاعری در علم و حکمت و فضل و دانش شہرہ روزگار بودہ۔ مورخان و تذکرہ نگاران در شرح احوالش راہ تحقیق ناسپردہ و سرہ از ناسرہ باز ندانستہ پردہ ہائے تو بر تو بر چہرہ مقصود فرو ہشتہ اند۔ و اگر ایں سفرنامہ و پارہ از دیوان اشعارش بدست نیفتادے چارہ نبود از انکہ ما نیز بدنبال ایشاں دویم و راہ از بیراہہ باز نشناسیم۔

چندانکہ دریں قضیہ غور کردہ بیشود چناں بخاطر میرسد کہ ہیچکس از معاصران حکیم مزبور بتحریر حال وے نپرداختہ و سالہائے فراواں وقائع زندگانی او نانوشتہ ماند۔ باعث بریں بے اعتنائیہا آں تواند بود کہ فقہائے آں زماں از شیعہ و سنیہ چنانکہ عنقریب ذکر کردہ شود ناصر را از فرقہ اسمٰعیلیہ[۵۱] گمان میکردند و اسمٰعیلیاں را بہ لقب ملاحدہ و باطنیہ ملقب میساختند

۵۱ اسمٰعیلیہ طائفہ ایست از امامیہ کہ اسمٰعیل بن امام جعفر صادقؑ را بعد آنجناب امام برحق دانند۔ و گویند امام جعفر صادق

پس غالب آنست کہ تا زمانِ دراز احدے از فریقین بسبب تنافرے کہ از تعصب خیزد بنگارش ترجمہ حکیم موصوف میل نکردہ باشد۔ اما چون در قرون لاحقہ دیوان اشعار و دیگر تصانیفش در اطراف ممالک انتشار یافت و معتقدانِ او از حوالیِ کوہستانِ بدخشاں کہ مرقد حکیم در آنجا است فوج فوج ظاہر شدند آنوقت بود کہ اربابِ سیر بتفحص اخبار و آثارش پرداختند۔ لاکن رطب و یابسے کہ یافتند یا از افواہِ عامہ ناس شنیدند بے تامل حوالہ قلم نمودند و افسانہائے کہ معتقدانِ وے از قبل خود تراشیدہ بر حکیم بستہ بودند آنرا از افاداتِ حکیم دانستہ بے آنکہ بر مصنفات وے عرض کنند و صواب از خطا باز شناسند بنقل و روایتش مبادرت کردند۔ و ازیں جہت اغتشاشے عظیم در ترجمہ حکیم سابق الوصف راہ یافتہ و پے بہ سر کار بردن بغایت مشکل افتادہ اگرچہ دریں روزہا چارلس شیفر نام یکے از افاضل اروپا[1] احوالِ ناصر خسرو را در لغتِ فرانسہ بابسطے ہرچہ تمامتر نوشتہ ہست اما بسبب اجنبیت زبان فرانسہ کلیتہً نمیتواں گفت کہ چہ قدر از عہدہ تحقیق بیرون آمدہ و تا کجا داد تنقید[2] دادہ ہست۔ بنا بر علیٰ ذلک در ذکرِ احوالش از مقالات قوم بر ہماں قدر کہ معقول و قابل جزم[3] است اکتفا خواہد رفت و باقی انچہ از کلام خودش میتوان استنباط کرد نوشتہ خواہد شد۔

اول اختلافے کہ کردہ اند در تعیینِ سالِ ولادت اوست۔ حمداللہ مستوفی قزوینی در تاریخ گزیدہ سال سیصد و ہشتاد و پنج از ہجرت خاتم النبیین صلعم ضبط کردہ است و مصنف

(بقیہ صفحہ ۵۳) امامت رابدو تفویض فرشت و با بادر اسمٰعیل ہیچ زن جاریہ را انباز نہ ساخت چنانچہ نبی صلعم با خدیجہ و علی با فاطمہؓ۔ نیز اسمٰعیل را خاتم الائمہ دانند و با شش امام لاحق کار ندارند و گویند مدار امامت بر ہفت ہست مانند ہفت روز و ہفت آسمان و ہفت سیارہ ۱۲ حالی

صفحہ ہذا: [1] یورپ را معرب کردہ اروپا میگویند ۱۲ [2] تنقید بمعنی نقادی ۱۲ [3] یقین ۱۲

دبستان المذاہب سیصد و پنجاہ و نہ۔ و صاحب حبیب السیر سیصد و پنجاہ و ہشت معلوم میکند اما این ہر سہ قول مردود است۔ بلکہ قول صائب آنست کہ رضا قلیخان در تذکرۂ مجمع الفصحاء[1] آوردہ و آں سیصد و نود و چار است و چارلس شیفر در ترجمہ فرانساوئیہ خویش ہمیں قولِ اخیر را اختیار کردہ و بقولِ خود حکیم تمسک جستہ کہ در بعضے قصائد خویش میفرماید ؎

بگذشت ز ہجرت پس سیصد نود و چار بنہاد مرا مادر بر مرکزِ اغبر

نیز قاطبۂ تذکرہ نویساں اصل حکیم را از اصفہان معلوم داشتہ اند۔ اما ہیچ دلیلے کہ مفید جزم باشد ذکر نہ کردہ بل بملاحظاتِ چند میتواں گفت کہ اورا اباً عن جدٍ با اصفہان و دیگر بلاد از عراقِ عجم و پارس[2] ہیچ تعلقے نبودہ و اسلاف و بزرگانِ او از عہدِ مامون ابن رشید یا بعبارتِ دیگر از زمان امام علی ابن موسیٰ الرضا کہ جدِ ہشتم ناصر خسرو بودہ ہمیں در صفحات خراسان سکنے داشتہ اند و معمورۂ بلخ کہ تا زمانِ دراز دار الملک ولایتِ خراسان بودہ است باید مسقط الراس حکیم موصوف باشد چنانکہ خود گفتہ است ؎

اے بادِ عصر گر گذری بر دیار بلخ بگذر بخانۂ من و آنجا بجوئے حال

و ہمچنیں در بسیارے از اشعارِ خود چنانکہ ہر کس را در عالمِ غربت و دوریِ وطن اتفاق افتد بر مفارقت خراسان و اہل خراسان دریغ خوردہ است و نیز در سفرنامہ عبارات بسیار است کہ بریں معنی دلالت واضح دارد۔ بالجملہ سلسلۂ نسبش بہفت واسطہ تا بہ امام ہمام علی ابن موسیٰ الرضا علیہ التحیۃ والثناء کہ در مشہد مقدس مدفون و بہ شاہ خراسان معروف است منتہی میشود۔ بعد از حفظِ قرآنِ مجید کہ

[1] ایں تذکرہ از تالیفات امیر الشعراء رضا قلیخان متخلص بہ ہدایت است کہ در سال ۱۲۹۵ ہجری در دار السلطنت طہران چاپ شدہ و دریں ایام بہندوستان رسیدہ است ۱۲

[2] عراقِ عجم و پارس نام دو ولایت از ممالک ایران است و تمامی مملکت ایران را کہ پارس میگویند مجاز است ۱۲ حالی

گویند در سن نه سالگی بداں مشرف شده سالہاے دراز بتحصیل علوم متعارفه از معقول و منقول
و علوم غریبه فنون متنوعه از نجوم و رمل و سائر دانشہا که دراں روزگار از جمله کمالات شمرده میشد
وہیچکس را بدون آنها فرزانه و حکیم نمیخواندند مشغول بود. گویند ورای علوم دینیه و فنون حکمیه
که میان اہل اسلام دائر و سائر بود بر کتب مقدسه از توریت و انجیل و مجموع صحف انبیا نیز
اطلاع تمام داشت حتّٰی اینکه فضلای یہود و مسیحیه آن کتاب ہا را از و اخذ میکردند. و انچه از
کلام خودش در سفرنامه مظنون میشود اینقدر ست که غالبًا از لغت و خط عبرانی بیخبر نبود چه در
ذکر فلسطین مضمون بعضے کتابها که به خط عبری نوشته بودند شرح داده و بیان کرده است
مع القصه بعد از رسوخ در کمالات علمی سالها بتحصیلین درس میگفت و بکشف معضلات و فتح مغلقات
از دقائق عقلیه و مسائل نقلیه مشغوف بود تا آنکه بتقریبے از بلخ به مرو شاہجان که امروز مطمح نظر
دولت روسیه است شتافت. مرو اگرچه الحال از تاتار مطلق العنان محسوب میشود فاما در زمان
پیشین از بلاد معتبرهٔ ممالک خراسان و پایتخت سلاجقه بوده است در عہد سلاطین عجم و ہم در دولت
اسلامیه اکثرے از علما و حکما از اینجا برخاسته اند. بالجمله کار ناصرخسرو در مرو بالا گرفت. از وقت
طغرل بک سلجوقی در نیشاپور و کہین برادرش جغربک در مرو بر مسند حکومت جا داشتند امیر ناصر
را در خدمت جغربک قرب اختصاص بہم رسیده در سلک پیران دولت منسلک شد و چنانکه
خود در سفرنامه میگوید از جمله متصرفان در اموال و اعمال سلطانی و متصدی مہمات دیوانی گشت

از تاریخ تمدن اہل اسلام لائح میشود که در قرنہاے پیشین کسانے که بلقب فیلسوف اسلام
ملقب بوده اند قاطبةً روزگار به ترک و تجرید میگذرانیدند و ہرگز تن بخدمت ملوک و سلاطین
در نمیدادند. و اول کسیکه از میان ایشان خدمت ملوک را اختیار کرد شیخ الرئیس ابوعلی ابن
سینا بود که غالب ایام حیاتش در وزارت آل بویه بسر آمده. صاحب روضة الصفا مینویسد که

بعد از شیخ الرئیس اکثرے از حکمائے اسلام کہ ملازمت حکام و ارباب فرمان اختیار کردند ہمہ اقتدا بہ شیخ کردند" از انجا کہ اصل شیخ ابو علی[51] و ناصر خسرو از بلخ بودہ است و عروج شیخ بہ معارج حشمت و جاہ کہ در دولت آل بویہ او را دست دادہ ناصر را در عین شباب مسموع افتادہ باشد[52] و نیز ناصر خسرو بجزم و یقین دانستہ کہ اینہمہ شہرت و عزت با شیخ جز بہ قرب سلاطین ہرگز صورت نمے بست لاجرم حکم میتوان کرد کہ اینہمہ اسباب ناصر خسرو را بخدمت آل سلجوق مائل کردہ و از گوشہ عزلت بدار الملک مرو کشیدہ باشد۔ اگرچہ ناصر خسرو چنانکہ بعد ازیں گفتہ شود دیرے گذشتہ کہ از خدمت چغری بیک آزاد شدہ و دیگر پیرامون آں نگردیدہ امّا برادرش خواجہ ابو الفتح عبد الجلیل در عہد طغرل بیک و پسرش خواجہ معین الدین در زمان ملکشاہ سلجوقی تا زمانِ ممتد ملازم دیوان و معتمد درگاہ بودہ اند۔

علی الجملہ تا سال چارصد و سی و ہفت ہجریہ کہ چہل و دو سال از عمر ناصر خسرو گذشتہ بود روزگارش در خدمت امیر چغری بیک ہمبریں منوال بود تا آنکہ داعیہ سفر حجاز چنانکہ در سفرنامہ وا نمودہ است او را از جا بر انگیخت و از مشاغل دیوانی بکلّی دست شست تمامت اسباب جاہ و حشمت را پدرود گفت و کہین برادر خود ابو سعید و یک غلام را ہمراہ گرفتہ رحلتے کہ روداد آں درین سفرنامہ رقم کردہ اختیار نمود و از بلاد خراسان و عراق عجم و آذربائجان بہ آرمینہ رسیدہ و از آنجا بہ شام و فلسطین و عراق عرب عبور دادہ در موسم حج وارد مکہ محترمہ شد۔ بعد ازیں بمصر رفت۔ و قریب سہ سال در آنجا اقامت داشت۔ و در زمان اقامت مصر دو بار بہ حج بیت اللہ و زیارت روضہ منورہ جناب رسالت مآب شرفہما اللہ تشریفاً در حجاز آمدہ باز بمصر

---

٥١ پدر ابو علی از عمال بلخ بود و در ایام سلطنت نوح سامانی بجانب بخارا رفتہ و ابو علی ہم در آنجا در ۳۷۰ ہجری متولد شدہ۔ ۱۲

٥٢ ولادت ناصر خسرو بعد از ولادت ابو علی بہ بست و یک سال بودہ و در سالیکہ شیخ وفات یافتہ ناصر خسرو سی و سہ سالہ بود ۱۲ حالی

اہالی مشرق محو کردہ ایشان را بسوئے خویش مائل سازند خاصہ مستنصر باللہ کہ شصت سال متصدی امر خلافت بودہ فرصت این کار بیشتر از خلفائے ماضیہ او را دست دادہ بود و ہموارہ از طرف او جواسیس و دعاۃ درین صفحات میرسیدند تا مردم را بہ روش اسمٰعیلیہ دعوت کنند و حکومت مصر را در لباس مذہب رونق دہند و عاقبۃ الامر ظہور مساعی مستنصر بتوسط بساسیری[1] در بغداد و حسن صباح[2] در خراسان آنچنان شدہ کہ ہر کس برأی العین مشاہدہ کردہ۔ پس احتمال میرود کہ ناصر خسرو را بجہت این مقصد عظیم برگزیدہ در مصر طلب داشتہ باشند کہ ہم از روئے نسب با خلفائے مصر خویشی داشت و ہم از روئے عقیدت شیفتہ و دلدادۂ خاندان نبوت بود و بعلاوہ علم و فضل بر رموز سلطنت نیز وقوفے بہم رسانیدہ و مدتے در دولت آل سلجوق بہ تکفل مہماتِ دیوانی بسر آوردہ چنانچہ در بعضے از قصائد خویش کہ روداد سفر بیان کردہ است مے فہماند کہ باعث سفر مغرب جز شوق لقائے مستنصر باللہ چیزے دیگر نبودہ مضمون قصیدۂ مذکور را باید بروجہ تلخیص درینجا ذکر کنیم کہ خالی از ذوق نخواہد بود۔ میگوید۔ سال سیصد و نود و چار از ہجرت گذشتہ بود کہ مادر مشفق مرا بر خاک نہاد۔ آن وقت بالندۂ بے شعور مانند رستنی بودم کہ از خاک سیاہ و آب مقطر پدید آمدہ باز از درجہ نباتی بمرتبہ حیوانی رسیدم و روزے چند چون مرغک بے پر اینچنین بودم تا آنکہ بحالتِ چارمین رسیدم و ناطقہ در جسم مکدر راہ یافتہ و اثر مردمی ظاہر شدہ۔ چون عمر من بچہل و دو رسید

---

[1] بساسیری غلامے بود از غلامانِ بہاءالدولہ دیلمی شجاع با ہمت کہ باعانت مستنصر تا یک سال قائم بامر اللہ عباسی را محبوس داشتہ و فرمود تا در بغداد خطبہ بنام مستنصر خواندند ۱۲ [2] حسن صباح مؤسس فرقۂ اسمٰعیلیہ مشرق است کہ در اواخر عہد خلافت مستنصر در ۴۷۱ھ ہجریہ بمصر رسیدہ موردِ عنایاتِ مستنصر شد و بعد از وفات وے در سائر بلاد عجم بگردید و مردم را بامامت نزار ابن مستنصر دعوت کرد و خلقے کثیر را بمذہب اسمٰعیلی متمذہب ساخت و جمعے را بقلعۂ الموت و نواحی قہستان بجہت اشاعت الدار مذہب فرستاد و آخر تمامی بلاد رودبار و قہستان و غیر ذلک در حیط تصرف آورد کہ موازی صد سال حکومت اسمٰعیلیان در آن صفحات در ترقی بود تا آنکہ در ۶۵۴ھ بدست ہلاکو خان نبیرۂ چنگیز خان مغل مستاصل گشت ۱۲ حالی

وخود را از ہر کس بہتر یافتم- با خود گفتم البتہ کسے[۵۱] میباید کہ از ہمہ خلق بہتر باشد- چون باز از مرغان و شتر از بہائم و خرمابن از درختان و یاقوت از جواہر یا مانند قرآن از کتابہا و کعبہ از بناہا و دل از اعضاے بدن و خورشید از ستارگان- پس از جاے برخاستم و سفر پیش گرفتم- و من بعد از خانہ و گلشن و منظر ہیچ یاد نہ کردم- پس حاجت خویش از پارسی و تازی و ترکی و سندی و ہندی و رومی و عبری و فلسفی و مانوی و صابی و دہری درخواستم و بکر سوال کردم- بسیار از سنگ بستر و بالین ساختم و بسیار از ابر خیمہ و چادر کردم- گاہے بر زمینے رسیدم کہ آب آنجا ہمچو زہر منجمد بود و گاہے بر سر کوہے بر آمدم کہ از دو پیکر بلند تر بود- گاہے مانند شتربان ریسمان در گردن و گاہے مانند استر بار بر پشت- ہمچنین از شہر بر آن شہر و از ینجا بہ آنجا پرسندہ و جویندہ ہمیرفتم بعضے گفتند کہ شریعت بہ عقل راست نمے آید زیرا کہ اسلام بہ شمشیر[۵۲] قوت گرفتہ است- اما این سخن بہ تقلید ایشان قبول نکردم و از حجت و برہان قطع نظر ننمودم زیرا کہ حق بتقلید میسر نمیشود- بارے چون خدا خواہد کہ درے از رحمت بکشاید ہمہ دشوارہا آسان گردد- آخر بدرِ شہرے[۵۳] رسیدم کہ آنجا اجرام فلکی بندہ و چاکر و تمامی آفاق مسخر بود- صحراے آنجا مانند دیبا پر نقش و نگار بود و آب آنجا مانند کوثر عسل صافی بود- منازل آن شہر غیر از علم و فضل و صنوبر آن باغ غیر از عقل و خرد نبود- شہرے بود کہ حکماے آنجا ہمہ حریر و دیبا میپوشیدند (مانند فقہاے خراسان) بافتۂ پشم بادہ و نمد در بر میکردند- چون در آن شہر رسیدم خرد با من گفت کہ بیا و حاجت خود طلب کن و از ینجا مگذر- پس من نزدیک پاسبان[۵۴] آن شہر رفتم و راز خویش بگفتم- گفت

---

۵۱ مراد از آن جستجوے امام زمان است ۱۲ ۵۲ این سخن تعریض است بہ سلطنتِ غزنویہ و سلاجقہ کہ ملک بقہر و استیلا گرفتہ بودند- بخلاف علویۂ مصر کہ در عقیدۂ خود کوشش برحم و انصاف از سائر بادشاہان اسلام امتیاز داشتند ۱۲ ۵۳ مراد از آن شہر ملک مصر است کہ مستنصر باللہ حاکم آنجا بود ۱۲ حالی ۵۴ - مراد از پاسبان آن شہر مستنصر باللہ است ۱۲ حالی

اندوہ مخور۔ ایں شہر چرخ برین است پُر از اختران بلند بلکہ بہشت است پُر از پیکرہائے دلربا گفتم کہ مرا نفس ضعیف و نژند شدہ است۔ پس بر درستی تن و سُرخی رنگِ من منگر من دارو بے حجت و برہان نمیخورم و از درد نمی اندیشم و قول مُنکر نمیشنوم۔ گفت اندوہ مبر کہ من در اینجا طبیبم۔ پس علت خود پیش من شرح کن۔ من از اول و آخر و علت و معلول و جنس و صنعت و صورت و قادر و تقدیر و مقدر سوال کردم۔ چوں آں مرد دانا ایں سوالہا از من گوش کرد دست قبول بر سینہ خویش نہاد (کہ رحمت خدا باد بر آں دست و بر آں سینہ) و گفت آرے دارو با حجت و برہان دہم۔ اما مُہرے محکم بر لبت بہ بندم۔ باز بر شربتے کہ مراد او دو گواہ از انفس و آفاق حاضر کرد۔ پس من آں دارو را قبول کردم۔ و او مُہرے سخت بر دہانم زد۔ و ہر روز بتدریج چارۂ کار من ہمیکرد۔ تا آنکہ مشتِ خاکِ مرا مانند یاقوت منور ساخت۔ اینک یاقوت منم و آفتاب من کسے است کہ از فروغِ وے ایں عالم ظلمانی روشن است۔ خوشا شہرے کہ پاسبانش چناں باشد و خوشا کشتی کہ لنگرش چنیں بود۔ اے آنکہ علم را صورت و فضل را جسم و حکمت را دل و مردمی را ثمرہ و نازش را افتخار بودہ۔ من کہ با جامۂ پشمیں و کالبد لاغر و گونۂ اصفر پیش درپیش تو ایستادہ ام۔ الحق کہ بعد از حجر الاسود و خاکِ پیمبر جز بر دستِ تو لب ننہادہ و من بعد تا وقتیکہ زندہ ام و ہر کجا کہ باشم جز بر شکر تو قلم و کاغذ و دوات نہ رانم"۔

از سیاقت بیان ایں قصیدہ چند نتیجہ استنباط میتواں کرد۔ یکے آنکہ فی الواقع ناصر خسرو آوازہ حسن سیرت مستنصر باللہ را شنیدہ سفر مغرب اختیار کردہ بود۔ و نیز از طرزِ حکومت خراسان و طریق علمائے آنجا کراہتے میداشت۔ و احترام خویش بہ قدر فضل و کمال و بزرگی و سیادتِ خود از اہلِ وطن توقع نداشت۔ و سخنانے کہ مستنصر باللہ ہنگام ملاقات

چرا او افشا کرده آنچنان رازهائے سربسته بود که ناصر خسرو کشف آن نمیتوانست کرد و نیز ازین قصیده مستفاد میشود که مقصود وے از زیارت مستنصر جز اکتساب سعادت و تحقیق راه حق و کشف معضلات مذهب و رفع وساوس قلب چیزے دیگر نبود - و چون در سفرنامه دیده میشود که حکیم موصوف هنگام معاودت از مصر بغایت تنگدست بود و در عرض راه چند جا بمعونت دیگران محتاج شده بضرورت میبایست تسلیم کرد که مطلبے ازین سفر دور و دراز طلب جاه و دولت نبود و قصائد بسیار که در مدح مستنصر بالله انشا کرده آنچنان نیست که شعرائے تملق و چاپلوس در ستایش اهل دنیا وضع کنند بلکه از تمامی مدائح وے که تا نفس پسین در حق مستنصر نوشته ثابت میشود که او را با کمال صدق و یقین و نهایت خلوص ارادت امام مفترض الطاعة میدانست ۰

بالجمله سرگذشت حکیم از آنوقت که سفر وے بپایان رسید تا آن زمان که مردم خراسان او را به زندقه و الحاد متهم کرده بقصد وے برخاستند و از آنجا گریخته بکوهستان بدخشان افتاد در پردهٔ اختفا است - اگرچه بعضے از وقائع نسبت بحکیم چنان نوشته اند که میتوان گفت بعد از سفر مغرب و جلائے وطن مراورا رو داده باشد چون رسیدن به بغداد و گیلان و رستمدار و مدتے با علمائے آن دیار بحث کردن و هنگام مراجعت بصحبت شیخ المشائخ ابوالحسن خرقانی فائز شدن و بردست شیخ بیعت نمودن و چند مدت در خدمت ایشان روزگار گزرانیدن و امثال ذلک اما هیچ ازینها در نظر تحقیق وثوق را نشاید - بهرحال منشائے خلاف اهل خراسان را بعضے چنین نوشته اند که او را کتابے است مسمے به روشنائی نامه که از آفرینش عالم و حقیقت روح و اسرار تکوین در آن کتاب سخن رانده است و حرفها سروده که بر زندقه و الحاد قائل دلالت دارد و ازین سبب خلقے بر خلاف او کمر بستند - و چون دیوان او را ملاحظه مے کنیم

ہم چیزہائے بسیار ازیں قسم میابیم - یکجا از حشر جسمانی استبعاد میکند وجائے دیگر بر وضع کائنات خردہ میگیرد - وہمچنیں ہرگونہ وساوس خطرات کہ بر خاطرش میگذرد باکمال بے باکی وآزادی حوالۂ قلم میسازد - اما اینہمہ چیزہائے بالیست سبب انکارِ مردم شود - چہ سُنّتِ مستمرہ شعرائے ایران زمین است کہ غالب اوقات برخلافِ قانونِ شرع نغمہ ہائے خارج آہنگ سرایند و با خدا و اہلِ خدا شوخیہا کنند ولے چوں اکثر اقوال ایشاں نہ از عالم حال باشد اہلِ شرع حمل بر ہزل کنند و بحکم يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ - ایشاں را معذور دارند - بعضے دیگر گفتہ اند کہ او از علومِ غریبہ و تناسخ سخن میگفت و مقالاتِ او از فہم علمائے زماں بلند تر واقع شدہ لاجرم در طبائع خاص و عام از وے وحشتے پدید آمد و قصدِ او کردند پس از خراسان سفر کردہ بجانب بلخ رفت و آنجا نیز متواری بود تا آخر بکوہستانِ بدخشاں افتاد - ایں سخن چندانکہ غور کردہ شود ہیچ استبعادے ندارد - چہ در طبقہ از طبقاتِ اسلام جمعے کہ خلافِ جمہور حرفے بر زبان آوردند از دستِ فقہائے زماں چہ جفاہا کہ نکشیدند و چہ بلاہا کہ ندیدند - اما ورائے ایں ہمہ اسباب سببے دیگر بود کہ سائر اہلِ خراسان را از جا درآورد - خاوندشاہ در روضۃ الصفا و بہ تبعیت او صاحب حبیب السیر و دبستان المذاہب نوشتہ اند کہ "امیر ناصر چوں از مصر مراجعت کردہ باز بخراسان رسید مردم را بخلافتِ مستنصر و روشِ اسمٰعیلیہ دعوت میکرد - اعدا قصدِ وے کردند - خوف و ہراس بر او استیلا یافت و در جبلے از جبالِ بدخشاں پنہاں گشتہ بست سال بہ آب و گیاہ قناعت نمود" ہر چند در سفرنامہ دلیلے روشن برینمعنی یافت نمیشود - اما چنانکہ بالا ذکر کردہ شد اینقدر را انکار نمیتواں کرد کہ ناصر خسرو رہ آوردے کہ از مصر برائے اہلِ وطن آوردہ محبتِ علویۂ مصر بود - وعلی الخصوص از مناقبِ مستنصر باللہ سینہ و دل لبریز داشت بسے از قصائد طوال در مدح وے انشا کردہ و ہم در سفرنامہ عدل و داد او را بیش از بیش ستایش

نموده۔ وچنانکه از مضمونِ قصیدهٔ مذکورهٔ بصدر متبادر میشود مییابد به دعوتِ روشنِ اسمعیلیه و نشرِ مناقبِ ایشاں اقدام کرده باشد۔ و نیز در یک قصیدهٔ فخریه بدیں مطلب اشعارے کرده است جائیکه میگوید ؎

از ایرا نظیرم کسے در نیابد — که بر راے آں رہبرِ بے نظیرم
نه بس فخرم آں که امامِ زماں را — سوئے عاقلانِ خراسان سفیرم

پس علمائے خراسان و ماوراءالنهر که با خلفائے بغداد غایتِ عصبیت داشتند و علویهٔ مصر را غاصبِ خلافت و ضال و مُضل مے شمردند لابد ایں صدائے غریب را گوش کرده با حکیم درآویخته باشند و اهالیِ مُلک و وُلاةِ عهد را بخلافِ وے برانگیخته۔ حکیم نیز در بعضے اشعارِ خود دشمنیِ اهلِ خراسان را بر دوستیِ اهلِ بیت بنا نهاده است جائیکه میگوید ؎

گرچه مرا اصل خراسانی است — از پسِ پیری و مهی و سری
دوستیِ عترت و خانِ رسول — کرد مرا یُمگی و مازندری

راس و رئیس مدعیانِ حکیم یکے مفتیِ خراسان بود حنفی المذهب و دیگر حاکمِ بلخ که در اکثرے از اشعارِ وے روئے شکایت با ایشان است و قصائد بسیار که دریں خصوص گفته است دلالت دارد براینکه تا آخرِ عمر از دوریِ وطن و جورِ اهالیِ وطن مینالید و شب و روز فریاد و زاری میکرد۔ در بعضے اشعارِ خود با ولایتِ خراسان خطاب کرده میگوید که اے خراسان اگر حالِ تو بے من مبارک و میمون است بارے احوالِ من بے تو دگرگون است۔ مرا فرومایگان که از نمازِ خویش ساهون باشند از خانماں برانده اند۔ همانا که ایزد تعالیٰ بشامتِ ایں فرومایگان خشمِ خود بر خراسان باریده است که اوباشے چند بے خان و ماں امروز در آنجا خان و خاتون شده اند۔ آرے دنیا بهشتِ کافران و زندانِ مُومن است و ازینجاست که تو اے حاکمِ بلخ، در بلخ چوں بهشتی و من در یُمگان محبوس و مسجون ماندهام

تو از جہل در ملک ہمچو فرعونی و من از علم در زندان مانندۂ ذوالنونم" و نیز میگوید "اگر اکنون فلک رام من نیست ہیچ غم نباشد کہ مدتہا رام من بودہ است۔ اگر تن من از گلشن دور است گو باش چرا کہ از دلِ پر حکمت در گلشنم۔ مرا بر گرسنگی صبر کردن خوشتر از آن است کہ طعام از دستِ فرومایگان دریابم۔ اکنون بر آں سرم کہ ازیں چاہِ زشت و ژرف کہ مرا از دنیا باشد بالا روم و سوئے بہشت عدن یکے نردبانے برنہم کہ یک پایہ از صلوٰۃ و پایہ دیگر از صیام داشتہ باشد۔ یکچند مرا در پیشگاہ ملوک و مجلس سلاطین میبایدند۔ اما اکنون از گردشِ روزگار چیزے دیگر گشتہ ام کہ گوئی خود آں آب و گل نہ ام کہ پیش ازیں داشتم۔ چوں فلک با من اینگونہ بازیہا کردہ است بنابراں از جفائے او دل پر از کین دارم۔ و بر آں سرم کہ از وی کین خود بکشم و امیدوارم کہ مستنصر باللہ از خدا بر اولیائے شیاطینم نصرت دہد۔ و آں زمانہ بیوفائی پیشین من باز پیش من بندہ شود۔ و فردا بفرِ دولت مستنصر مجلس جز در کنارِ جوزا نیابم" و دیگر ازیں نوع گلہ ہائے دردمندانہ در دیوان اشعارش بسیار است چنیں بنماید کہ عقیدتِ مستنصر باللہ و ذوقے کہ در نشرِ فضائل و محامدِ وے داشت بر حبِ جاہ و دنیا طلبی او غالب آمدہ بود۔ چہ با آنکہ علمائے بر خلافِ او کمر بستہ قصدِ ہلاک او کردند و از نشرِ دانش باز دارند و جاہ و حشمتے بسیار کہ در دولتِ عہد داشت بکلی از دست دادہ بود باز تا دمِ آخریں ازیں ترانہ و لحن خاموش نشدہ۔ اگرچہ آں ہمہ جد و جہدِ او در ایامِ حیاتِ وے کارے از پیش نبردہ و در بادی النظر ثمرہ بر آں مترتب نشدہ اما در نظرِ راستم آتشے را کہ بعد از وفاتِ وے بسعیِ حسن صباح از ممالکِ خراسان سر بر زدہ و تا مدتِ صد سال از پا ننشستہ اثرِ ہماں اخگرِ افسردہ باید پنداشت کہ ناصر خسرو در دلہائے مردم نہاں گذاشتہ بود۔

مع القصہ بعد از آنکہ اہالی وطن با او مخالفت ورزیدند از خراسان گریختہ بدرۂ یمگان کہ از اعمالِ بدخشاں است و او خود را بداں نسبت یمگی گفتہ است شتافت و سالیانِ دراز تا آخرِ نفس

و اپسین ہمہ در آنجا بود و بعد از وفات ہم در آنجا مدفون گشت۔ گویند مردم آن نواحی با حکیم اعتقادِ زیاد دارند و مرقد او را تعظیم و احترام بسیار میکنند۔ بعضے او را سلطان مینویسند و بعضے شاہ و بعضے امیر و حکیم۔ و در بارۂ مذہب و اعتقاد وے اقوال مختلفہ رقم کردہ اند۔ رضا قلیخاں در مجمع الفصحا او را بر مذہبِ حق گفتہ است کہ پیش وے منحصر در طریقۂ اثنا عشریہ است۔ اما ایں سخن خیالے بیش نیست۔ در سفرنامہ ہر جا کہ شیعیان را ذکر کردہ است چناں مینماید کہ ازیں طائفہ اجنبیت تمام دارد۔ یکجا در ذکر بعضے مواضع شام میگوید "قبر ابی ہریرہ آنجاست بیرونِ شہر در جانبِ قبلہ اما کسے آنجا بزیارت نتواند رفتن کہ مردم آنجا ہمہ شیعہ باشند و چوں کسے آنجا بزیارت رود کودکان غوغا کنند و غلبہ بسر آنکس برند و زحمت دہند و سنگ اندازند۔ ازیں سبب من نتوانستم زیارت آں کردن" و چارس شیفر در ترجمۂ سفرنامۂ خویش چند بیت از حکیم متضمن انکارِ حشرِ جسمانی و جواب آں از محقق طوسی نقل کردہ است و از جوابے کہ محقق نوشتہ پیداست کہ او حکیم ناصر را از مؤمنین صادقین نمیدانست و آں ابیات ایں است (ناصر خسرو)

مردکے را بدشت گرگ درید — زو بخوردند کرگس و زاغاں
ایں یکے رید بر سرِ کہسار — واں دگر رید در بنِ چاہاں
ایں چنیں کس بحشر زندہ شود — تیز در ریشِ مردکِ ناداں

(محقق طوسی)

ایں چنیں کس بحشر زندہ شود — گر نماید عنصرش جزو جزو
زاں دلیل بار نیست مشکل تر — تیز در ریشِ ناصر خسرو

اما ایں قدر البتہ قابلِ تسلیم است کہ پیرش خواجہ معین الدین چنانکہ نور اللہ شوستری در مجالس المؤمنین گفتہ مذہبِ تشیع داشت و با آنکہ در دیوان ملک شاہ سلجوقی ملازم بود باز تقیہ

نمیکرد و علانیہ بر طریقۂ اثنا عشریہ سلوک مینمود۔ ولاکن قاضی موصوف کہ ہیچ صوفی و حکیم را در مجالس المومنین از خلعتِ تشیع محروم نگذاشتہ در حق ناصر خسرو ہیچ نگفتہ است۔

دولت شاہ سمرقندی میگوید۔ "کہ ناصر خسرو را بعضے عارف و موحد و بعضے دہری و طبیعی گفتہ اند۔ و گویند بہ تناسخ۔" و نیز میگوید کہ "بصحبتِ شیخ ابوالحسن خرقانی رح رسیدہ مدتہا بر ریاضت و تصفیۂ باطن مشغول بود۔" اما ہیچ ازیں سخنان تا بہ شہادتِ مقرون نباشد قابلِ وثوق نیست و صاحبِ روضۃ الصفا و حبیب السیر او را از اسمٰعیلیہ محسوب داشتہ اند۔ و صاحب بستان المذاہب باوجود ایں نسبت او را مدح و ستایش نیز کردہ و بغایت مقید امورِ شرعی وانمودہ است۔ و حق آنست کہ تا ہنگامِ مراجعت از سفرِ مغرب بر طریقۂ جمہور اہلِ سنت سلوک داشت و اکثرے از عباراتِ سفرنامہ بر ہمین معنی دلالت میکند۔ جناب عائشہ صدیقہ و عمر فاروق را بہ آدابیکہ شعارِ سنیان است نام بردہ است و سائر مناسک حج بر وفق مذہب اہل سنت بیان نمودہ و در بعضے از اشعارِ او دیدہ ام کہ حضرتِ صدیق و فاروق و ذی النورین را بصدق و عدل و حیا ستودہ است۔ اما شک نیست کہ در زمانِ اقامتِ مصر کہ ستہ سال طول کشید و با مردم اسمٰعیلیہ معاشرت و مصاحبت اتفاق افتادہ انقلابے عظیم در خواطر و افکارش راہ یافتہ۔ و اگر ہیچ نگوئیم اینقدر خود میباید تسلیم کنیم کہ روش اسمٰعیلیہ را بد نمیدانست و خلافتِ فاطمیین را در برابر خلافت عباسیہ بہ استحقاق نزدیکتر مے پنداشت و علی مرتضیٰ را بر خلفائے ثلثہ تفضیل میداد و ائمہ اہلِ بیت را سرچشمۂ علم باطن و خازن اسرار شریعت میدانست و نیز متمذہب بمذہب کسے از ائمہ مجتہدین نبود۔ و تقلید و اہلِ تقلید را جابجا در اشعارِ خود نکوہش کردہ و بعلاوہ آں بعضے از معتقداتِ خاصۂ اسمٰعیلیان نیز از کلامش مستفاد میشود مانند قول بہ نفسِ کلی کہ آنرا مصدرِ کائنات دانند و دریں عقیدہ از سائر فرقِ اسلامیہ منفرد اند کہ ایں اصل از امہاتِ عقائدِ ایشان است و ناصر خسرو در بیاب

چناں فرموده است ؎

ترا نفس کلی چو بشناسی او را — نگه دارد از جہل و عصیان و نسیان
کل از نفس کل یافتست آں عنایت — که تو خوش منش گشته زان و شادان
زر و سیم و گوہر شد از کانِ عالم — چو پیوسته شد نفس کلی بارکان

دیگر چیزہا ے بسیار ازیں نوع در دیوانِ اشعارش میتواں یافت اما چنانکه اہلِ خراسان گمان کردند ہرگز از منہج قویم اسلام تجاوز نه کرده و بر اصولِ اسلام از توحید و رسالت و معاد تا دم واپسین ثابت قدم بوده چنانکه میفرماید ؎

بنالم بتو اے قدیم قدیر — ز اہلِ خراساں صغیر و کبیر
چه کردم که از من رمیده شدند — ہمه خویش و بیگانه بر خیر خیر
مقرم بفرمانِ پیغمبرست — نه انباز گفتم ترا نے نظیر
به اُمت رسانید پیغام تو — محمدؐ رسولت بشیر و نذیر
نیاورد قرآں به پیغمبرش — مگر جبرئیل آں مبارک سفیر
مُقِرّم بمرگ و بحشر و حساب — گناہت ز بر دارم اندر ضمیر

ایں است خلاصهٔ آنچه متعلق به مذہب و عقیدهٔ حکیم از کلامِ خودش مستفاد میشود۔ و در مثنوی مظہر العجائب که منسوب به شیخ عطار است قدس سره فضائل و مقامات وے آنچناں مذکور شده که میباید او را در زمرهٔ عرفا و واصلین منسلک دارند۔ اما چوں در تذکرة الاولیا که از مصنفات معتبر حضرت شیخ است اشعارے بذکرِ حکیم نرفته۔ گمان میرود که مثنوی مذکور از ملحقات باشد چه معتقدانِ ناصر خسرو ازیں قسم سخنان در حق وے بسیار تراشیده اند۔ زکریا ابن محمود قزوینی در جغرافیهٔ خود که آثار البلاد و اخبار العباد نام دارد درباره او چناں نوشته است که در عہدِ حکومتِ

حسام الدین ابو المؤید ابن نعمان حاکم بلخ چوں مردم ازو منحرف شدند بجانب یمکان شتافت و در آنجا بہ نیروے دستگاہے کہ در علوم غریبہ و تسخیر روحانیات داشت قلعہ ہائے منیع و ایوان ہاے رفیع برپا کرد"۔ ہمچنیں در ندامت نامہ کہ بحکیم نسبت کردہ اند۔ و حاجی لطف علیخاں آذر جامع تذکرۂ آتشکدہ و بعضے دیگر تذکرہ نگاران در ترجمۂ حکیم آنرا از اول تا آخر نقل نمودہ اند۔ ازیں نوع داستانہاے بے سر و بن بسیار است کہ ہیچ با عقل و عادت و تاریخ و جغرافیہ آشتی ندارد۔ و در جاہاے بسیار منافی قول حکیم است۔ مثل آنکہ در مصر و بغداد و گیلان و بدخشاں ہر جا کہ رفتہ علی الفور بوزارت اختصاص یافتہ و بر جمیع امور مالی و ملکی متصرف گشتہ۔ چہ ازیں قسم اتفاقات بعلاوہ آنکہ سفرنامہ تکذیب آں میکند خلاف عادت روزگار نیز باشد۔ یا آنکہ روحانیاں را تسخیر کردہ بہر کارے کہ میخواستہ بدو میسپرداشت و آنہا در طرفۃ العین آں کار را بانجام مے رسانیدند حتی آنکہ یکجا مریخ از آسماں فرود آمدہ بحسب خواہش حکیم سید نصر را بقتل در آورد۔ یا مانند رسیدن حکیم از مصر بہ بغداد در عہد القادر باللہ کہ با تاریخ مباینت کلی دارد۔ چہ وفات خلیفۂ موصوف بسال چہار صد و بست و دو و مراجعت ناصر از مصر در سال چہار صد و چہل و یک اتفاق افتادہ۔ یا آنکہ در بعضے از مجالس عراق فاریابی را در بحث حشر و نشر الزام صریح دادہ بود۔ حالانکہ تاریخ ازیں معنی ابا میکند۔ زیرا کہ ہیچکس از مشاہیر اسلام غیر از ظہیر الدین شاعر کہ مادح قزل ارسلان است بلقب فاریابی شہرت ندارد و او اصلا معاصر ناصر خسرو نبودہ۔ چہ وفات او بعد از وفات ناصر خسرو بیک صد و ہفدہ سال واقع شدہ است و اگر گویند کہ مراد از فاریابی حکیم ابو نصر فارابی است پس غلطی آں ظاہر تر است زیرا کہ ابو نصر در اوائل مائۃ رابعہ از دنیا رحلت کردہ و ناصر خسرو در اواخر قرن مذکور خلعت ہستی پوشیدہ پس معاصرت چگونہ صورت بندد و با قطع نظر ازاں اصل ابو نصر از فاراب است نہ از فاریاب۔ یا آنکہ روحانیے را چوں براہلاک پادشاہ ملاحدہ در گیلان برگماشت

و حال او نیز گشته مشرف بر هلاک شد خواست تا بحیلهٔ از گیلان بیرون رود و پس از بسیار
رخصت طلبید تا گیاهیکه آن مرض را علاج بود در صحرای دمشق یافت میشد در دمشق رفته برای
ملک بیارد و حال آنکه مسافت در میانه گیلان و دمشق کمتر از هزار و پانصد میل انگلیسی نخواهد بود.
و بعلاوه اینهمه ثابت را باطیل وجود ملاحده در ایران چنانکه در رسالهٔ مذکور تصریح رفته است هرگز
در عهد ناصر خسرو نبوده. چه حکومت اسمٰعیلیهٔ مشرق که من بعد بملاحده و باطنیه موسوم گشتند در
ممالک ایران در سال چارصد و هشتاد و چار بوجود آمده است و آنوقت بر وفات ناصر خسرو سی سال
گذشته بود. و اما تسمیهٔ ایشان باسم ملاحده پس در اواخر قرن سادس واقع شده. همچنین چیزهای
بسیار درین رساله آنچنان است که در نظر تحقیق بجوی نمی ارزد. صاحب دبستان المذاهب در حق
این رساله میگوید که بعضی از جهال ندامت نامه از و در باب معاشرت با اسمٰعیلیه الموتیه[1] ساخته اند
و حال آنکه او تابع اسمٰعیلیهٔ مغرب است با الموتیه موافقت و مصاحبت نداشت این است آنچه در
باب ناصر از اسمٰعیلیه شنوده و در کتب تواریخ دیده شده.

غالب آنست که بعد از وفات حکیم بعضی معتقدان او چون دیدند که فقهای زمان او را
به زندقه و الحاد متهم ساخته اند و به نیکی از او یاد نکرده اند آنوقت این افسانهای بی سروبن وضع کرده
باشند. چه اکثری از صفات است که در ندامت نامه مذکور است گویا اعتراضاتی است که حکیم از الزامات
علماء و فقهای آن زمان میکنند و چون عادت پیشینیان آن بود که هر کرا برگزیده درگاه الٰهی
می پنداشتند تنها بر ذکر صلاح و تقوی و صدق و عدالتش قانع نمیشدند بل بامور یکه
خرق العقل و العادة باشد نیز متصف میساختند. لاجرم قصه های شگرف و افسانهای غریب برای
میان خود وضع نموده اند اما با اینهمه در آنجا که مذکور شد بعضی از وقایع صحیحه متعلق به سیرت حکیم ازین رسا

[1] الموت نام قلعه ایست در خراسان که ابتدا تسلط اسمٰعیلیهٔ مشرق از آنجا شده و ازین سبب اسمٰعیلیان ایران را الموتیه خوانند ۱۲ حالی

استخراج میتوان کرد۔ از انجملہ یکے نوشتنِ تفسیر بر قرآن مجید است موافق اُصول مذہبِ اسمٰعیلیہ اگرچہ از رسالۂ مذکور سببِ ارتکاب این فعل چناں معلوم میشود کہ چوں در قلمروِ ملاحدہ رسید و ایشان بر او دست یافتند۔ بادشاہ ملاحدہ او را بریں کار مجبور ساخت و در صورتِ استنکاع بقتل تہدید کرد پس بخوفِ تلفِ نفس و رخصتِ شرع بر نوشتنِ آں اقدام نمود۔ اما چنانکہ بالا ذکر کردیم آنوقت طائفہ ملاحدہ در مشرقِ زمین ہیچ وجودے نداشت۔ پس معلوم شد کہ تفسیر مذکور در حالتِ اختیار نہ از روئے اضطرار نوشتہ بود و مُدتہا بنام ناصر خسرو اشتہار داشتہ ورنہ کسے را کہ در صددِ ایذاے نفسِ حکیم از طعنِ اسمٰعیلیت باشد چہ ضرور بود کہ تفسیر مذکور را با او نسبت میکرد۔

اکنوں باز بر سرِ سخن رویم۔ در تاریخِ وفاتِ حکیم نیز مانند سالِ ولادتِ او اختلاف کردہ اند دولت شاہ سمرقندی میگوید۔ در سالِ چار صد و سی و یک اتفاق افتادہ اما سفرنامۂ وے بہ بطلانِ آں گواہی میدہد۔ چہ سفرِ مغربِ خود در سالِ مزبور واقع نشدہ بود۔ تا بسفرِ آخرت چہ رسد و طامس لیم بیل در مفتاح التواریخ سنہ ۴۴۱ھ چار صد و چہل و یک نوشتہ است۔ ایں قول نیز چوں قولِ سابق درست نیست چہ بریں تقدیر لازم مے آید کہ مدّتِ حیاتِ او زائد بر چہل و ہفت سال نباشد و لاکن قصیدۂ کہ در شصت و دو سالگی گفتہ در دیوانِ اشعارش یافتہ ایم۔ و ایں دو بیت از انجا نقل میشود ؎

گر تنم از گلشن دور است من | از دلِ پُر حکمت در گلشنم
شصت و دو سال است کہ دو بہمے | روز و شباں گرد ون رہا دہم

صاحبِ حبیب السیر میگوید کہ ایامِ حیاتِ ناصر بعقیدۂ صاحبِ تاریخِ گزیدہ از صد سال متجاوز بودہ و صاحبِ مجمع الفصحا گفتہ کہ یک صد و چہل سال عمر یافت و در سنہ ۳۳۴ھ بعالم باقی شتافت و با شیخ الرئیس ابو نصر ملاقات و مقالات نمودہ۔ اما اینہمہ اقوال از پیرایۂ صحت عاری و از زیورِ تحقیق

عاطل است و صحیح ترینِ اقوال آنست کہ حاجی خلفا در تقویم التواریخ نوشتہ و آں سال چارصد و ہشتاد و یک از ہجرت خاتم الانبیا است (علیہ التحیۃ والثناء) و نیز ازیں کتاب معلوم میشود کہ وفاتِ حکیم ناصر خسرو و رحلت جدّنا شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری ہروی در یک سال واقع شدہ و بریں تقدیر عمرِ حکیم ہشتاد و ہفت سال برمے آید۔

از مصنّفاتِ حکیم یکے روشنائی نامہ در نظم و دیگر کنز الحقائق در نثر شہرت دارد اما چنیں کہ ملاحظہ میکنیم او را غیر ازیں نیز تصنیفات بسیار است از انجملہ یکے کتاب الندامۃ فی زاد القیامۃ در لغتِ تازی است کہ چارلس شیفر در ترجمۂ خود ذکر آں میکند و میگوید کہ "ناصر خسرو درایں کتاب اظہار ندامت و انفعال از زلّات و خطایاے خود کردہ است و در بادی النظر چناں مینماید کہ بنیادِ آں بر خیالاتِ بحث و افکارِ لاطائل است اما اگر بغور دیدہ شود بعضے افاداتِ جلیلہ و اقعیہ نیز ازاں استنباط میتواں کرد۔ و میر متقی کاشی آنرا از تازی بہ پارسی ترجمہ کردہ است۔" و صاحبِ سلّم السمٰوات از جملۂ کتابہاے او در نظم کتابے موسوم بہ سعادت نامہ نشان دادہ است۔ دیگر احوال ایں کتاب ہیچ ننوشتہ۔ و در ضمنِ رسالہ کہ سخن در تغلیطِ آں بالا گذشت۔ مصنّفاتِ عدیدہ با حکیم نسبت کردہ شدہ است چوں کتاب مستوفی در فقہ و زاد المسافرین در معقولات و قانون اعظم و دستور الاعظم و تفسیر قرآن مجید و امثال ذٰلک۔ اگرچہ مضمون ایں رسالہ اصلاً قابلِ التفات نیست اما غالب آنست کہ مردم آنوقت ایں کتابہا را از افاداتِ حکیم میدانستند ورنہ نسبت چیزے کہ در وجود نباشد با حکیم کسیکہ علما منکر او باشند چگونہ صورت مے بست۔ و حکیم نیز بر بعضے ازیں کتابہا در شعر افتخار کردہ است چنانچہ میفرماید۔

ز تصنیفاتِ من زاد المسافر
کہ معقولات را اصل است قانون

اگر بر خاکِ افلاطوں بخوانند
ثنا خوانند مر خاکِ فلاطون

دیگر از افاداتِ وے این سفرنامه است که در دست داریم والحق که بسیار مستحق
مدح و ستایش است۔ سادگی الفاظ و راستی بیان که درین سفرنامه دیده میشود گواه این معنی
است که صنعتهاے بیهوده و مبالغه هاے دور از کار که من بعد در منشآت ایران بکلی راه یافته
تا قرن خامس هیچ وجودے نداشت۔ در تمامی سفرنامه کمتر واقعه بر خلافِ عقل و عادت ذکر
کرده است۔ و اگر چیزے ازین قبیل مسموع افتاده بضرورت روایت کرده عهدهٔ آن بر راوی
گذاشته است۔ در ذکر وادی جهنم که در فلسطین است میگوید "مردم عوام چنین گویند که هر کس
بسر آن وادی شود آوازِ دوزخیان شنود که صدا از آنجا بر مے آید۔ من آنجا شدم اما چیزے
نشنیدم"۔ و در آخر سفرنامه چنان تصریح کرده است که "این سرگذشت آنچه دیده بودم
براستی شرح دادم و بعضے که بروایت شنیدم اگر در آنجا خلافے باشد خوانندگان از من ضعیف
ندانند۔ و مواخذات و نکوهش نکنند" هر چند در هر واقعه موشگافانه نظر کردن و باسباب و نتایج
آن وارسیدن و از جملهٔ مشاهدات حوادثِ منتجه را التقاط نمودن و حوادثِ عقیمه را از میان
انداختن و از رسوم و عادات اهالی هر ملک خصائص ایشان محققانه سخن راندن که امروز در
روزنامه هاے اروپا دیده میشود درین کتاب کمتر است فاما در زمانے که این روزنامه مرقوم
شده علم و معرفتِ مردم در دائرهٔ بغایت تنگ محدود بوده و سرمایهٔ آنکه در هر باب راے میتوان
زد از آنچه مشاهده رود و باسباب و نتایج آن پے میتوان برد در دست نداشتند۔ پس هر قدر که
از قلم ناصر خسرو درین زمانه تراوش یافته مزیدے برآن متصور نبود۔ و مع ذلک تا امروز
در زبانِ پارسی این نوع گذارشِ واقعات و تصویرِ مشاهدات هرگز دیده نشده۔ بالجمله این
سفرنامه نیز مانند سائر تصنیفاتِ حکیم درین ممالک ندرتے تمام داشت و درین جزو زمان جز

در کتاب خانهٔ سرآمدِ سخنورانِ روزگار جناب مستطاب نواب ضیاء الدین احمد خان بهادر

دہلوی رئیس لوہارو ہیچ جا دیدہ نشدہ۔ اما در سال ہزار و ہشتصد و ہشتاد و یک مسیحی چارلس شیفر نام یکے از افاضلِ اروپا بتوسط بعضے از شناختگانِ دولتِ انگلیس آں نسخہ[1] را از انجا طلب داشتہ و در لغتِ فرانسہ ترجمہ کردہ اصل و ترجمہ ہر دو را در محروسۂ پاریس دار الملکِ فرانسہ طبع ساختہ است۔ چنیں می‌نماید کہ اکثرے از مورخان و تذکرہ نویسان کہ در مصنفاتِ خود بذکرِ حکیم پرداختہ اند ازیں سفرنامہ بے خبر بودہ اند حتی اینکہ ہیچکس ازو در عہدِ طغرل بیک و چغر بیک نشان ندادہ و بسیارے از واقعات برخلافِ ایں سفرنامہ نوشتہ اند۔ و بعضے از ایشاں کہ سفرنامہ را از جملۂ تصنیفاتِ وے شمردہ اند غالباً آنرا بچشم خود ملاحظہ نکردہ۔ و آنچہ حکیم در آخر سفرنامہ عزمِ سفرِ شرق ظاہر نمودہ معلوم نیست کہ از قوت بفعل آمدہ یا نہ۔ اما از بعضے عبارات ایں سفرنامہ پیدا است کہ در لاہور و ملتان رسیدہ است۔

از مطالعۂ ایں کتاب ثابت میشود کہ نویسندۂ آں بعلم و فضل و تفحص نظر و راستی گفتار و متانتِ بیان و ذوقِ تحقیق موصوف بودہ۔ و اگرچہ در اوائلِ حال ہم بتقاضاے سن و ہم بحکمِ اسبابِ تنعم عفاف و تقوے کمتر داشت و بر شربِ خمر مواظبت میکرد۔ اما در آخرِ عہدِ شباب بتوبہ و انابت موفق شدہ ترکِ حشمت و جاہ گفت و بر دولتِ علم و ذخیرۂ دانش قناعت کردہ دامن از تعلقاتِ روزگار برچید۔ و برخلافِ مشائخِ عہد ما کہ ہمہ در گوشۂ مسجد و زاویۂ خانقاہ سیرِ انفس و آفاق کنند و از کنجِ عزلت پا بیروں نکشند مردانہ بر سفرِ بلاد و امصار و مشاہدۂ عجائبِ قدرتِ آفریدگار کمرِ ہمت بر بست۔

دیگر حکیم موصوف را دو دیوانِ اشعار است یکے عربی و دیگر پارسی۔ دیوانِ عربی را صاحب

---

[1] ایں نسخہ در عہدِ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ بہ کتابت در آمدہ۔ و مدتے در کتابخانۂ خان اعظم مرزا عزیز کوکلتاش محفوظ ماندہ کہ یکجا حاشیہ بقلمِ خودش ثبت فرمودہ است۔ و آں متعلق بہ تجدیدِ ہیئت مسیحِ نبوی (?) است کہ در سنہ ۱۰۰۶ (?) ہجری واقع شدہ ۱۲ حالی

تذکرۂ مجمع الفصحا - از جملۂ تصنیفاتِ وے شمردہ است و دیوان پارسی کہ مشتمل ہست بر چندیں ہزار بیت در ایران چاپ شدہ بین الناس متداول ہست - و راقم ایں سطور مجموعۂ منتخبے ازاں ہنگام تحریرِ ایں اوراق از کتابخانۂ سابق الوصف بدست آوردہ است - و ے حجت تخلص میکند و احیاناً ناصر و ناصر خسرو نیز بحسب ضرورت در شعر مے آرد - غالب اشعارش قصائد و مقطعات است و سخنش با سخنِ عامۂ شعرا ہیچ نمیماند - در یک بیت ندیدہ ام کہ از عشق و جوانی حرفے گفتہ یا بمدح اہلِ دنیا لبے آلودہ باشد - مجموعِ دیوانش مشتمل بر مناقبِ ذریۂ رسول و لاسیما در مدائحِ مستنصر باللہ و مواعظ و حکم و اسرارِ تکوین و شکایت ابنائے زماں و ذمِ علمائے ظاہر ہست و غالب اشعار در بحورِ غریبہ قلیلۃ الاستعمال گفتہ - اگرچہ عامۂ گفتارش نمک کمتر دارد - اما بلاغتِ شاعرانہ را با جزالتِ حکیمانہ جمع کردہ - و قدرتے کہ بر اداے مطالب عالیہ در نظم داشتہ در نثرِ دیگراں ہم نتواں یافت - قدرِ یسیرے از کلامش در اینجا نقل میشود۔

در نکوہش ابنائے روزگار

گوئی مرا کہ جوہرِ دیوانِ آتش است — دیوانِ ایں زمانہ از گلِ مخمر اند
جز آدمی نژاد ز آدم دریں جہاں — اینہا ز آدم اند چرا جملگی خر اند
دعوے کنند آنکہ براہیم زادہ ایم — چوں نیک بنگری ہمہ شاگردِ آذر اند
خویشی کجا بریم کہ از بہرِ لقمہ — اینجا برادراں ہمہ خصمِ برادر اند
نہ کافرے بقاعدہ نہ مومنے بشرط — ہمصحبتانِ من نہ مسلماں نہ کافر اند
ہاں تا ازیں گروہ نباشی کہ در جہاں — چوں گاو مے خورند چو گرگاں ہمے درند
آں سفیان کہ سیرتِ شاں بغضِ حیدر است — حقا کہ دشمنانِ ابوبکر و عمر اند

وآنانکہ ہست شاں بہ ابابکرؓ دشمنی چوں دوست اند چوں ہمگی خصمِ حیدرؓ اند
گر عاقلی زہر دو جماعت سخن مگوے بگذارشاں بہم کہ نہ افلح[1] نہ قنبر اند

در وصفِ قلم بطریقِ لُغز

آں زرد تنِ لاغرِ گل خوارِ سیہ کار زرد است و نزار است چنیں باشد گل خوار
ہموارہ سیہ سرش ببرند ازیراک ہمصورتِ مار است و ببرند سرِ مار
تا سرش نبری نکند میل برفتن چوں سرش ببری برود زود نگونسار
چوں آتش و دود است سیہ کار ولیکن ایں زآب شود زندہ و زآتش بمرد زار
ہر چند کہ زرد است سخنہاش سیاہ است گرچہ سخن خلق سیہ نیست بہ گفتار
گنگ است چو شد ماندہ و گویا چو رواں گشت زیرا کہ جدا نیست ز گفتارش رفتار
مرغے ہست ولیکن عجبے بے پر ازیراک خوردش ہمہ قار آمد و رفتنش بمنقار
مرغے کہ چو در دست جنبید بہ بینند در جنبش او عقل ترا مردم ہوشیار
تیرے است کہ سوفارش در رفتنِ پیش است ہر چند کہ ہر تیر سپس دارد سوفار
اقرار تو باشد سخنش گرچہ روا نیست در دیں کہ کسے از کسِ دیگر کند اقرار
دشوار بود بانگ تو از خانہ بہ دہلیز آساں بود آوازِ وے از بلخ بہ بلغار
در دستِ خردمند ہمہ حکمت گوید جز ژاژ نخاید ہمہ در دستِ سبکسار
رازِ دلِ من بارے یکسر ہمہ با اوست زیرا کہ امین است و سخنداں جبلے آزار
اے مرکبِ علم و سخن حکمت ۔ لیکن انگشت خردمند ترا مرکبِ راہوار

[1] افلح نام غلام ابوبکر صدیق و قنبر نام غلام علی مرتضیٰ ہست ۱۲

در پائے تو بسیار بہ از دیبۂ رومی ہر چند کہ دیبائے ترا نیست خریدار

در انجامِ کارِ دنیا

ناصر خسرو براہے میگذشت مست ولا یعقل نہ چوں میخوارگاں
دید قبرستان و مبرز روبرو بانگ بر زد گفت کاے نظّارگاں
نعمتِ دنیا و نعمت خوارہ بیں اینش نعمت اینش نعمت خوارگاں

در موعظت

تمییز و ہوش و فکرت پنداری چوں داد ترا خیرہ خیر باری
تا کار بندی آنہمہ آلت را در غدر و مکر و حیلہ و طرّاری
دارا برفت مفلس ازیں عالم با او نرفت مُلک و جہانداری
بارے چوں نگاری و دانش نہ گوئی مگر کہ صورتِ دیواری
مردم ز راہِ علم بود مردم نز زیں تنِ مصوّر دیداری
تا خامُشی میانِ خردمنداں مردے تمام صورتی و کاری
لیکن گہِ سخنت پدید آید کز جان و دل ضعیفی و بیماری
گوئی کہ از نژادِ بزرگانم گفتاری آمدی تو نہ کرداری
بے فضل کمتری تو ز گنجشکے گرچہ ز پشتِ جعفر طیّاری

خطاب بہ آسمان

کار و کردار تو اے گنبدِ زنگاری　　نہ ہمے بینم جز مکر و ستمگاری
زنِ بدخو را مانی کہ مرا با تو　　سازگاری نہ صواب ست نہ بیزاری
نیستی اہل و سزاوار ستایش را　　نہ نکوہش را زیرا کہ نہ مختاری
زینہار اے پسر این گنبدِ گردان را　　جز یکے کارکن و بندہ نہ پنداری
ما خداوندِ ترا خانۂ گفتاریم　　گر تو او را فلکا خانۂ گرداری
مور و ماہی را بر خاک و بدریا در　　نیست پنہان شدن از وے بشبِ تاری
گر ہمے نعمت دائم طلبی او را　　بندگی کن بہ درستی و بہ بیداری
ایں یکے جادوے بیکار زبون گیرست　　چند گردی ز پسِ او بہ سبکساری
سیرتِ زشت نہ اندر خور احرار است　　سیرتِ خوب کو گر تو ز احراری

بہ خوے خوب چو دیبا و چو عنبر شو
گرچہ در شہر نہ بزاز و نہ عطاری

ترجمۂ بعضے از مقالات حکمائے اروپا از انگلیسی در پارسی

۱۔ کسیکہ اصلاً بہ گفتار نیاید مانند آنکس کہ ہرگز لب از گفتار نہ بندد۔ خطاب را نشاید۔

۲۔ خودپسنداں راکہ ہیچگاہ جز بہ ستایش خود حرف نمیزنند۔ لب از گفتار نتواں بست۔

۳۔ نکوئی دیگراں راستودن خود را در نکوئی آنہا شریک وانمودن ہست۔

۴۔ یک سخن طیبت کہ بار بار بر زباں آید اصحاب را ملول سازد۔

۵۔ کسیکہ پیشِ اصحاب غیر از سرگذشتِ خود سخن نمیگوید۔ اگرچہ نفس خویش را فربہ میسازد ولاکن اصحاب را جز ملالت نمے افزاید۔

۶۔ کسیکہ عقل ضعیف دارد راست گو نمیتواند شد۔

۷۔ پادشاہاں و بزرگاں را بہ صفاتے کہ ندارند ستایش کردن ایشاں را بگناہاں تحریص دادن است

۸۔ جوان کہ رہنمائے جوانے باشد۔ مانندِ نابینائے ہست کہ نابینا را راہ نماید۔ محتمل کہ ہر دو از پا در آیند یا بہ چاہ در افتند۔

۹۔ شرطِ دوستی دوست را بر عیبِ او مطلع گردانیدن ہست نہ از عیبِ خود آگاہ نمودن۔

۱۰۔ کسانیکہ فریبِ ما خوردہ اند در چشمِ ما حقیر مینمایند۔ چنانکہ ما فریبِ دیگراں خوردہ در چشم خود حقیر مے نمائیم۔

۱۱۔ کسے راکہ حالِ او موافقِ خواہش او باشد ہر آئینہ خورسند و خوشدل میتواں گفت اما ہیچکس را نمیتواں گفت مگر آنکہ خواہشہائے خود را موافق حالتِ خود کردہ باشد۔

۱۲۔ کسیکہ از دولتِ قناعت و وسیلت ہیچ ندارد۔ از دو رفیقِ دمساز محروم است۔

۱۳۔ کسیکہ بر خطائے دیگراں نمے بخشاید رخنہ در آں پل مے اندازد کہ خود او را از آں عبور میباید کرد

چہ ہیچکس از خطا معصوم نیست ۔

۱۴۔ ہر کس فرزنداں را در تنگی و عسرت برائے آں میگذارد کہ بعد از پس از مردن او خوشحال و فارغ البال باشد ۔ گوئی شاخے سرسبز را قطع مے کند تا شاخِ خشک را سرسبز کردہ باشد ۔

۱۵۔ زنہار دوستِ چہارم آنکس نہ شوی کہ پیش از تو سہ کس را دوست گرفتہ ہر سہ را از دست دادہ باشد ۔

۱۶۔ عہدِ پیری بشائستہ ترین وجہے بسر بُردن جز خاصاں را میسر نیست ۔

۱۷۔ بر اکثرے از خطاہائے دوستاں کہ خُردہ نمے گیریم از برائے آنست کہ آں خطاہا در کارِ ما ہیچ خلل نمے اندازد ۔

۱۸۔ حقیقتِ حالِ یک کس بتفصیل دانستن مشکل تر از آں است کہ احوالِ کافۂ ناس باجمال دانستہ باشند ۔

۱۹۔ عیبے کہ نتوانی از خود دور کنی در چشمِ تو جز ہنر ننماید ۔

۲۰۔ ہر داعیہ کہ نفس در خاطرِ مردم بر مے انگیزد آخر در وقتے از اوقات فرو مے نشیند ۔ اما داعیۂ عُجب خود پسندی دائما ہمچناں متحرک میباشد ۔

۲۱۔ کسانیکہ استخفافِ مال و دولت میکنند بسیارند ۔ اما کسیکہ ترکِ مال و دولت بگوید کم عنقا دارد ۔

۲۲۔ در زندگانیِ دنیا بعضے از حوادث چناں واقع میشود کہ تا خود را بتکلف احمق ننمائیم نتوانیم از سوءِ عواقبِ آنہا محفوظ باشیم ۔

۲۳۔ ستایشِ خلق را سزاوار بودن آسان تر است کہ از مذمتِ ایشاں محفوظ ماندن ۔ چہ آں بیک فعلِ پسندیدہ حاصل میتواں کرد و ایں جز با اجتناب از تمامیِ افعالِ قبیحہ و سائر

اقوال نا مرضیہ صورت نمیتواند بست۔

۲۴۔ با ہر کہ دوستی ورزیدی ہموارہ بر دوستی او ثابت قدم باش۔

۲۵۔ ہیچ فریب بدتر از آں نیست کہ کسے را امیدوار کردہ باز ناامید گردانی۔

۲۶۔ ہیچ چیز در چشم مردم خوش تر از آں نے نماید کہ کسے ممنون ایشاں باشد و ہیچ آواز در گوش ایشاں شیریں تر از آں نے آید کہ نغمۂ شکر احسان ایشاں سرایند۔

۲۷۔ معنی خوشامد آنست کہ کسے را بجا سنے کہ ندارد موصوف گردانند پس دانا باید بہ سخن خوشامد گویاں از جا نرود بل بصفاتیکہ بہ دروغ بروے بستہ اند خود را بحقیقت متصف گرداند۔

۲۸۔ علمے کہ تحصیل آں واجب است تقلید نیک کرداراں ست وبس۔

۲۹۔ بر دیگراں خردہ گرفتن آسان ست اما بر خردہ گیری دیگراں صبر نمودن دشوار۔

۳۰۔ رازیکہ با دیگراں در میان مے نہی دیگراں را تکلیف اخفائے آں مدہ۔

۳۱۔ کسیکہ نسبت کبر بہ دیگرے میکند بہ یقین داں کہ خود متکبر ست۔

۳۲۔ چندانکہ مے بینیم ہیچکس از کبر خالی نمییابیم۔ گوئی ایں خصلت چوں اعضائے بدن در ہر کس از بہر آں آفریدہ اند تا مادام وسیلت از ننگ عیبہا کہ دارند متاذی نشوند۔

ترجمۂ تہذیب بعضے از مضامین نفیسۂ محاسن الاخلاق مرتبۂ جناب خان بہادر شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ مرحوم از اردو در پارسی حالیۂ ایران

کبر و خود پسندی

طبع انسانی چنانکہ مائل بہ کبر و خود پسندی است بہ ہیچ یک از خصائل نیست۔ ایں صفت در ہر کس

برنگِ دیگر جلوه میکند۔ و هر جا بشکلے جداگانه ظهور مینماید۔ تا بحدیکه گفته اند مغرورترین مردم آنست که ازیں صفت برائت خود میکند۔ و از عجائب خواص انسانی آنست که با آنکه هیچکس از شائبۂ ایں رذیلت خالی نیست هرگاه اثرے ازاں در دیگراں مشاهده میرود بر ایشاں نفریں مے کنند و زبانِ طعن دراز میسازند۔ و تعجب بر تعجب ظاهر مینمایند۔

بعضے از حکما گفته اند که "متکبراں و خودپسنداں را هیچکس دوست نمیباشد۔ زیراکه دوستی را مساواتِ طرفین شرط است و ایشاں بر مساواتِ کس راضی نمے شوند۔ همچنیں هیچکس ایشاں را ناصح نمیتواند شد۔ چه ناصح باید در مرتبه از مخاطب افضل و برتر باشد۔ و ایشاں را فضیلت و برتری کس بر خود منظور نیست۔" چنانکه قیمت اسپ در اصطبل نسبتاً به نخاس بیش مینماید همچناں مردِ متکبر خود را در نظرِ خویش بنسبت آنکه در چشمِ دیگران هست بالاتر و گرانقدرتر مے سنجد۔ وے جز خوشامدگویان و چاپلوساں کسے را دوست نمیدارد و با بزرگاں عداوت و از خردان نفرت داشتن و همسراں را حقیر شمردن خاصۂ او ست۔

حکیمے گفته است که "عاقلان لباس را باندازۂ بدن سازند و متکبران بدن را در خورِ لباس۔ یعنی آنها چنانکه هستند همچناں خود را ظاهر مے کنند۔ و اینها از آنچه هستند بزرگتر وا مینمایند" مرد باید گاه گاه در اوقاتِ فرصت بحالِ خود پرداخته مے اندیشیده باشد۔ که وجودِ ایں پیکرِ خاکی که مسمّٰے به انسان است با ایں فضائے بے پایاں که مشتمل بر عوالمِ بے شمار و سرتاسر روئے زمین در عرصۂ آں هیچ در حساب است چه نسبت دارد؟ همانا چوں گردِ موهومے که بهمراهیِ چرخهائے ارابه بے اختیار در گردش باشد۔ روز و شب و شام و بیگاه بے قصد و ارادت با هوائے جو به رقص کناں چرخ زناں میرود و مانند صدائے که از تارِ طنبور خیزد و دریں بحرِ بیکراں پیوسته مند شناست۔ پس چیزے را که حقیقتِ او انچنیں باشد کے میرسد که تاجِ غرور

بر سر نهاده بر ابنائے جنسِ خود که زود با ایشاں در خاکِ گور برابر خواہد شد برتری و تفوق جُستہ آیا نمیداند که او نیز چوں سائر بنی نوعِ خود بانواعِ عیب و خطا گرفتار و بغایت مسکنت موصوف است و عارضه از عوارضِ بشری چوں ملال و کلال و خوف و رجا و شادی و غم آنچناں نیست که بدُو عارض نشود وقتیکه بیمار میشود چوں دیگراں بیچاره و علاجش احتیاج مے افتد و ہر گاه که خواہد مُرد چوں بیچارگاں و مسکیناں زیر خاک پنہاں کرده خواہد شد۔ چوں صورت بریں منوال است چیزے لائق تر به شانِ او غیر از تواضع و فروتنی و عجز و انکسار نباشد۔ پس آدم خاکی نہاد باید از کمینگاهِ نفس بر حذر باشد که بیچاره را بصد گونه ریو و رنگ فریفته از آنچه ہست برتر و بزرگتر در نظرش جلوه گر میسازد۔ چنانکه واعظے رہست گفتار را حکایت کنند که چوں از وعظ و تذکیر فارغ شد از بالائے منبر فرود آمد و سامعین بر فصاحت گفتارش صدائے تحسین و آفریں از چہار سو بلند کردند گفت اے عزیزاں دیگر بمدح و ستایش شما حاجت نمانده است۔ چه پیش از آنکه از منبر فرود آیم شیطان بازیں ترانهٔ دلکش ہر دو گوشِ مرا پر ساخته از مدح و ستایش دیگراں بے نیاز گردانیده است۔

شجاعت

کسانے که بحکمِ حرص و حُبِّ جاهِ خود را در مہالک و مخاطر افگنند به شجاعت و جوانمردی موصوف نتواں کرد۔ مانندِ آنکه در کوہستان سفر دور و دراز از بہرِ آں اختیار کنند که بر معدنیات دست یابند۔ یا ملّلِ غیر متمدنه را که تابِ مقاومت با اسلحهٔ جانسوز ایشاں ندارند حلقهٔ اطاعت در گوش و طوقِ غلامی در گردن اندازند۔ ہر آئینه ایشاں را بجائے آنکه شجاع و بہادر نام نہند رہزن و قزاق خواندن اولیٰ تر است۔ چه شجاع بحقیقت آنکس تواند بود که محض نفعِ خلائق انواعِ محن و مشاق بر نفسِ خود گوارا کند و جانِ عزیز را در مواقعِ خوف و خطر اندازد۔ ہمیں نوع

جوانمرداں بودہ اند، کہ مجسمہ ہائے ایشاں در صنم خانہ ہا نہادہ اند، و عبادتخانہ ہا بنامِ ایشاں طرح انگندہ اند، و تماثیلِ آنہا را قابلِ پرستش اعتقاد نمودہ ۔

مناصبِ جلیلہ

آنانکہ بمناصبِ جلیلۂ سلطانی فائز میشوند بحقیقت سہ چیز را بر خود خداوند میسازند یکے سلطان را کہ آزادی نفسِ خویش بدستِ او فروختہ اند و عنانِ اختیارِ خود در قبضۂ اقتدارِ او سپردہ۔ دویم شہرت و ناموریِ خویش را کہ ہرچہ منافیِ آں باشد زنہار گردِ آں نگردند، و جز بکارے اقدام نکنند کہ مقتضائے شہرت و نام و ننگ تواند بود۔ سیوم فرائضِ منصبِ خویش را کہ یک لحظہ از فکرِ آنہا نتوانند آزاد شوند۔ ہمانا طالبِ منصب آزادیِ خود فروختہ بعوضِ آں حکومت بر دیگراں میخرد۔ و اختیاراتِ خویش از دست دادہ بر دیگراں اختیار حاصل میکند۔ تا بمنصبِ مطلوب نمیرسد، انواعِ رنج و تعب نصیبِ او میباشد و چوں بداں فائز میگردد، آں ہمہ رنج و تعب یکبارہ میشود۔ و اگر کار بمعزولی کشید پس حیاتش تلخ تر از ممات گشت ۔

مدح و ستایش

مدح و ستایشِ عامۂ ناس کہ از صورت بمعنی راہ نبردہ اند، میباید از صدق و راستی بمراحل دور تر باشد۔ چہ بکنۂ حقیقتِ کمالات پے بردن و مدارجِ کمالات را از ہم تمیز دادن از حدِ فہمِ ایشاں بالاتر است۔ پس غالب مدحِ ایشاں بر کمالاتِ درجۂ ادنے از بذلِ جود و بر و احسان و مہمان نوازی و لطف و مدارات و امثالہا مقصور میباشد۔ و لیکن کہ گاہ

گاه به کمالاتِ درجهٔ اوسط از شجاعت و استقلال و وفاداری و عصبیت متصف شده داد مدح و ثنا داده باشند. فامّا کمالاتِ درجهٔ اعلیٰ از خلوص و بے غرضی و رقّتِ نوعیت و در مصالحِ عامّه کوشیدن. و باصلاحِ مفاسدِ عامّه پرداختن. و در فصلِ خصومات حیف و میل بکار نبردن. و از حمایتِ مدعیانِ باطل اگرچه دوست باشند ابا نمودن. و در پاسداری حق از مذمّتِ عوام نیندیشیدن و امثال ذالک. پس اندازهٔ آنها از سرحدِ فهم و ادراکِ ایشاں بیروں است. لاجرم اگر بالفرض کسے در خواهش ہائے ناروا از نصرتِ دوستاں پہلو تہی کند. آنرا بے وفا و بے مروّت نام نہند. و ہر کہ در محکمۂ قضا بخلافِ آشنائے شہادت بحق داده باشد. او را از اراذلِ ناس شمارند. ہمچنیں سائر راستبازانِ آزاد منش را بدنام یاد کنند و ایشاں را از تہ دل بے دین و سنگدل و مکّار و خائن انگارند۔

ہمدریں معنی نیز چنیں گفته اند که حسن و قبحِ افعالِ مردم موقوف بر نیّتِ ایشاں است ہماں یک کار است که اگر از نیّتِ نیک صادر شده است آں را کارِ نیک میتواں گفت و اگر بہ نیّتِ بد صدور یافته آں را کارِ بد میتواں شمرد. مانند آنکه یکے از ارتکابِ ظلمے که جز بہ جرأت و ہمّت و زحمت و مشقت اقدام برآں نتواں کرد. تحاشی میکند و پہلو تہی میزند. پس چنانکه میتواں گفت. از جبن و نامردی پیرامونِ آں نمیگردد. ہمچنیں میتواں گفت که بمقتضائے عدالتِ جبلّی مرتکبِ جرم نمیشود. پس کسانیکه فضائل و کمالاتِ درجهٔ اعلیٰ را نمے توانند اندازه بدانند امثالِ ایں امور را ہمواره بر محملِ بد فرود آرند و نیکوکاراں را مستحقِ ذم و نفریں شمارند بلے فضائل و کمالاتِ انسانی بمثابهٔ دریا است که بر روئے آں غیر از اشیائے کم وزن و خفیف چوں خس و خاشاک و برگِ کاه ہیچ نمودار نیست. و ہر چه از اشیائے ثقیل و گرانمند با خود دارد جز در قعرِ آں نتواں یافت۔

مشق و مہارت

در طبیعتِ ہر کس از افرادِ انسانی استعدادے خاص ودیعت نہادہ اند کہ بہ مشق و مہارت ترقی مے پذیرد۔ و انسان را در آنچہ مشق و مہارت ورزیدہ است بمرتبۂ کمال میرساند کہ کارہائے دشوار را بہ سہل‌ترین وجہے سرانجام تواند کرد۔ رسن بازان و رقاصان و مغنیان کہ در فنون خود کارہائے عجیب و عملہائے غریب بروئے کار آوردہ تماشائیان را در تعجب مے اندازند نتیجۂ ہمیں مشق و مہارت است۔ کہ ایشان بحکمِ استعداداتِ خاصۂ خود بکار بردہ اند۔ ورنہ ہیچ خاصیتے در ذاتِ ایشاں آنچناں نیست کہ تماشائیاں و بحیرت رفتگان کم و بیش در فطرتِ خودہا نداشتہ باشند۔

پیداست کہ در ہر قوم و ملت بعضے از مردم در بذلہ سنجی و خوش نفسی و بعضے در قصہ گوئی و داستان طرازی۔ و ہمچنیں بعضے در شاعری و بعضے در مصوری و بعضے در فنونِ دیگر شہرۂ روزگار و مشارٌ الیہ بالبنان در دیارو امصار میباشند۔ و عامۂ ناس را گمان آنکہ ایشاں از جودتِ ذہن و روشنیٔ طبع دریں کمالات یدِ طولیٰ بہم میرسانند۔ اما کسانیکہ بہ قوانینِ طبیعی پے بردہ و مجاریٔ احوال را نیکو سنجیدہ اند۔ میدانند کہ منشائے کمالات ایں نام آوراں جز مشق و مہارت چیزے دیگر نبودہ است۔ آرے ایں قدر ہست کہ استعدادِ ایں کمالات کہ در طبائعِ ایشاں ودیعت کردہ بودند۔ ایشاں بہ مشق و مہارت آں کمالات را از قوۃ بفعل آوردند۔ اگر اصلِ استعداد در جوہرِ فطرت آنہا راسخ نمیبود و ایشاں بر وفقِ استعداداتِ خود توفیقِ مشق و مہارت در کمالاتِ مذبورہ نمے یافتند۔ زینہار بہ محض جودتِ ذہن و فطانت کارے از پیش نمے بردند۔

در فطرت اکثرے از تجارت پیشگان استعداد شاعری بمرتبہ کمال ملاحظہ مینمائیم و در بسیارے از شعرا قابلیت فن تجارت بدرجہ غایت مشاہدہ مے کنیم۔ اما نہ آنہا بسبب شغل تجارت از شاعری کرشمہ بر روئے کار آوردہ اند و نہ اینہا بسبب انہماک در شعر و سخن از ملکہ تجارت حظے بودہ اند۔ پس امتیازے صریحی کہ درمیانہ حکما و ارباب زراعت یا شعرا و اہل تجارت یافتہ میشود منشائے حقیقی آں ہمیں مشق و مہارت است و بس کہ افراد یک نوع را از ہم تمیز دادہ بہ خواص مختلفہ و اوصاف متبائنہ مخصوص گردانیدہ است۔ ازینجاست کہ ہر عادتے کہ بہ مشق و مہارت رسوخ بیابد۔ ترک آں چوں تبدیل فطرت مستحیل میگردد و بس مرد باید کہ از تکرار فعل بد بکلی پرہیز کند۔ مبادا آں فعل رفتہ رفتہ منجر بہ عادت گردد و ازالۂ آں از حیطۂ قدرت بشری خارج باشد۔

مصیبت و ناکامی

درکارخانۂ عالم از اقبال و ادبار و ذلت و عزت و ناکامی و کامیابی طرفہ تماشا بنظر مے آید۔ یکے را نکبت و ادبار از چار سو آنچناں فرا گرفتہ است کہ بہر چہ میکوشد راہ بجائے نمے برد و بہر طرف کہ مے شتابد ناکام بر مے گردد۔ روز و شب مصائب آفات چوں ابر بہار برا میبارد۔ و شب دیجور او بارش ہیچ نوع پایاں نمے پذیرد بخلاف آں دیگرے را بخت و اتفاق چناں مساعد افتادہ است کہ اگر خاک سیاہ را مس میکند طلائے خالص میشود و اگر در شورہ زار تخم مے افشاند زود برگ و بار مے آرد۔ دولت بیدار باو عہد یکجہتی بستہ است و طالع فرخندہ نرد وفا باختہ۔

اما از آنجا کہ ظہور اینہمہ آثار مختلفہ و احوال متناقضہ راجع بمشیت آں حکیم علام است کہ فعلے از افعال

یا حکمے از احکامِ او خالی از حکمت نیست پس مرد باید کہ در ہجومِ مصائب و آلام دامنِ استقلال
از دست نہ دادہ بیقین دانستہ باشد کہ در پردۂ این ہمہ مکروہاتِ ناملائم البتہ حکمتے غامض
و مصلحتے عظیم مخفی خواہد بود۔ ازینجاست کہ گفتہ اند "ہر کہ بمصیبتے از مصائب گرفتار نشدہ ہمانا
یک روے دنیا دیدہ از تماشائے روے دیگر محروم است" ہر آئینہ مسرتِ حقیقی حاصل نمیشود
مگر آنکہ لذتِ غم چشیدہ باشند۔ حکیم سنیکا مر شاگردانِ خود را ہموارہ پند ہمے داد کہ "لذتِ
مصیبت بچشید تا لذتِ عافیت دریابید" چنانچہ گفتہ اند "قدرِ عافیت کسے داند کہ
بمصیبتے گرفتار آید" ہیچ راحت در حقِ انسان خوشتر ازاں نیست کہ بعد جراحت میسر آید
و محنتے کہ بہ راحت انجامد بحقیقت عینِ راحت است۔ کسیکہ در مقابلۂ بلا ثبات نہ ورزیدہ
و بہ صبر و استقلال بر مشکلات غالب نیامدہ و در بوتۂ ابتلا گداختہ نشدہ۔ بر مثالِ طلائے
است کہ بر محکِ امتحانش نہ سودہ باشند۔ و ازیں سبب قیمتِ آں مشخص نشدہ باشد۔
مصیبت بحقیقت مدرسہ ایست کہ جملہ قواے روحانیہ در وے تربیت مییابد و انسان
بوسیلۂ آں زشتیِ گناہ و بے ثباتیِ دنیا را بہ رأی العین مشاہدہ میکند۔ اگرچہ بعضے از نکوئیہائے
نمایاں چوں بذل و جود و عدل و احسان در ایامِ عیش و کامرانی ہم میتواں کرد۔ اما نکوئیہائے
پایندہ و بہتر ازاں توکل و قناعت و صبر و استقلال و ہوشمندی و دوربینی جز در حالتِ یاس و
حرماں صورت نمیتوانند بست کہ مرد را از خوابِ غفلت بیدار میکند و خیالاتِ دلفریب را از
خاطرِ او بکلی محو ساختہ روے توجہ بہ قبلۂ مقصودِ عالم و عالمیان منعطف میگرداند و دنیائے
دنی را در نظرش چوں بازیچۂ اطفال خوار و بے قدر میسازد۔ آرے چنانکہ رائحۂ مشک و عود
بہ سوختن و سائیدن نمایاں مے شود ہمچناں نکوئیِ مردم در ہجومِ مصائب آشکارا
مے گردد۔

تعلیم

اُستاد باید ہرگاہ بہ تعلیمِ مبتدیاں پردازد۔ از پایۂ خویش کہ در علم و فضل داشتہ باشد تنزل نماید۔ چنانکہ پہلوانے زورمند چوں قواعدِ کُشتی بہ شاگردانِ خُردسال بیاموزد سرپنجگی و زورآوری را یکسو نہادہ از پایۂ خود آنچناں فرود آید کہ شاگرداں بدانند یکے از ہمسرانِ ایشاں بہ ایشاں بازی میکند۔ بسا معلمان کہ ہنگامِ درس ایں اصل را مطمحِ نظر نمیدارند و از منزلتِ علمِ خود تنزل نانمودہ سخنانِ بالاتر از فہمِ متعلمان افادہ میفرمایند۔ در غالبِ احوال سعیِ ایشاں رایگاں میرود و نفعے از درسِ ایشاں بمتعلمان نمیرسد۔ چنانکہ غذائے ناملائمِ طبع پیش از آنکہ جزوِ بدن تواند شد غثیان آوردہ از معدہ برمے آید۔ ہمچناں درسِ اُستاد کہ بہ فہمِ شاگرداں مناسبت ندارد بہ ذہن و حافظۂ ایشاں درنمے سازد۔

علم اخلاق

علمِ اخلاق از سائرِ علوم بدیں شرف امتیاز دارد کہ قابلیتِ آں در سرشتِ اطفال پیش از قابلیتِ درسِ کتاب حاصل مے شود و تعلیمِ آں در ہر زمان و ہر مکان میتواں کرد۔ خانہ و باغ و مکتب و مجلس و خلوت و جلوت و کنارِ مادر و آغوشِ پدر برائے آں یکساں است۔ ایں علم ہرکس را از کودک و جوان و پیر ہدایت میکند کہ حقوقِ الٰہی بر ذمتِ ہمتِ او کدام است و حقوقِ بنی نوع و حقوقِ نفسِ خویش کدام؟ مال و دولت را چہ طور بذل تواں کرد؟ و چہ قدر از آں در رفاہِ خلق و چہ قدر در خدمتِ ذوی القُربٰی صرف تواں نمود؟ حقیقتِ انسان چہ چیز است؟ و او را از برائے کدام مقصد آفریدہ اند؟ غایتِ علم چیست؟ و کدام چیزہاست کہ دانستنِ آنہا براو

واجب است؟ مراد از شجاعت چیست؟ و اعتدال و عدالت چہ معنی دارد؟ علامت از حرص آز۔ و غلامی را از اطاعت و آزادی را از اطلاقِ عنان چگونہ فرق توان کرد؟ فضائلے کہ محمود است علاماتِ آں چیست؟ از آلامِ جسمانی و ہمومِ روحانی تا کجا باید گریخت و از ذلت و مرگ تا بہ چہ حد تحاشی باید نمود؟ از سختی بلاہا چگونہ میتواں رست و بہ چہ نوع تحمل آنہا میتواں کرد؟ چگونہ خودرائے باید شناخت؟ و چہ طور خوش میتواں زیست و خوش میتواں مرد؟

علامت تہذیبِ اخلاق در آدمی آنست کہ شگفتہ رو و پسندیدہ خو باشد و از کدورت خاطر بکلی پاک بود۔ چنانکہ در حوالیِ ماہِ تاباں بر روئے فلک اثرے از گرد و غبار نباشد ہمہ وقت آثارِ بشاشت از چہرۂ او ہویدا باشد۔ نفسِ امّارہ را در حینِ سرکشی و طغیان نگذارد از جا رود و زمانۂ خوف و رجا و ایامِ قحط و وبا بہ کمالِ استقلال و شادمانی بسر آرد۔

تہذیبِ اخلاق برخلاف رائے کسانے کہ آنرا بہ خارزار و دشوار گذار تمثیل میدہند، بر مثالِ راہے است کہ طرفین آں راہ از گلہائے رنگا رنگ و اثمارِ گوناگون و اشجارِ سرسبز و شاداب و نہرہائے رواں نمونۂ بہشت برین است و ہر کہ ازیں راہ میگذرد بادلے شادمان و خاطرے مطمئن بمنزلِ مقصود میرسد۔ راہے است بہ نکوئی رہنموں کہ ہر یک از کودک و جوان و پیر و فاسق و معصوم ش آسان تواند پیمود۔ رنج و محنت ازیں راہ بمراحل دور است و راحت و آرامش در ہر قدم مہیا۔

علم اخلاق بشابۂ مادرِ مہربان است کہ اولادِ خود را از چرک و آلودگیہا پاک میدارد و پرورش آنہا نمودہ تنومند و قوی بازو مے سازد۔ بر ایشاں سخت نمیگیرد و ہموارہ در صدد آں میباشد کہ در عروقِ شان حسن و جمال و صحت و سوئیتِ ایشاں بیفزاید و بہر صورت کہ میتواند دلنشیں آنہا میکند کہ چگونہ انہمہ محاسن و خوبی ہا را آنچناں مضبوط و منتظم توانند ساخت

کہ زندگی برایشان وبال نہ گردد۔

پیداست کہ بعضے از اطفال بالطبع از تعلیم اخلاقی متنفر و گریزاں میباشند بحدیکہ یک سخن ہزل را بر صد پند سودمند اختیار میکنند۔ واگر آواز دف و چنگ بگوش ایشاں بخورد درس و کتاب را بر طاقِ نسیاں گذاشتہ و مکتب را خیرباد گفتہ دیوانہ وار بسوے آں مے شتابند۔ پس لائق تر بحالِ ایشاں آنست کہ بجاے علم و حکمت صناعتے از صناعات بہ ایشاں بیاموزند۔ زیراچہ تعلیم اطفال چنانکہ افلاطون گفتہ است باید موافق استعدادِ ایشاں باشد نہ بر حسب استعداد پدراں و نیاگانِ ایشاں۔

خودکشی

مرگ را چنانکہ ظاہر ست اسباب بسیار ہست۔ از انجملہ یکے خود را بدستِ خود کشتن ست آدمی را در کشاکشِ زندگانی اکثرے از نوازل و حوادث چناں پیش مے آید کہ از تحمل آں عاجز آمدہ مرگ را بر زیست اختیار مے کند۔

حکما را در آنکہ خودکشی در حالتے از حالات جائز میشود یا نہ۔ اختلاف ست۔ یکے را از حکما پرسیدند کہ آزادانہ زیستن چگونہ میسر آید؟ گفت از آنکہ مرگ را آسان شمرند۔ چہ کسیکہ از مرگ نے ترسد از ہیچ رنج و مصیبت باک ندارد۔ گویند پسرے اسیر آمدہ بدستِ ظالمے فروختہ شد۔ آں جفاکار بذلیل ترین خدمتش مامور کرد۔ پسر گفت آیا گمان مے بری کہ ہر کہ ازیں ذلت آسان میتواند رست بہ اطاعت تو مجبور شود؟ ایں بگفت و خود را از کرپوۂ بلند بپائیں انداختہ از قیدِ حیات و قیدِ غلامی پاک برست۔ ازینجاست کہ گفتہ اند "مرد آنست کہ زندہ ماند چندانکہ خواہد نہ چندانکہ تواند۔" و گفتہ اند "منت خداے را کہ کلیدِ مرگ بما

تفویض فرموده است" تا بداں وسیلت ہرگاه که خواہیم خود را از رنج و بلا وارہانیم - ومنت ہر واہبِ منت را که برائے زندگی جز یک در نه کشاده است و برائے مرگ ابوابِ بے شمار مفتوح ساخته" نیز گفته اند "عرصۂ زمین بر زندگان تنگ میتواند شد - امّا بر مُردگان در ہر زمان و ہر مکان فراخ است"

بعضے از حکما گفته اند " کسانے که از دنیا و مصائبِ آں شکایت میکنند خطا میکنند کیست که ایشاں را بر تحمّلِ ایں مصائب مجبور ساخته است مگر آنکه چنبرِ ناموری آنہا نمیگذارد از قیدِ حیات رسته مکروہاتِ زندگی را خیر باد بگویند - مرگ ہمه جا حاضر است ہمه وقت اسبابِ آں مہیا است - ہر کس میتواند ما را از قیدِ حیات آزاد کند - بخلافِ مرگ که ہیچکس از پنجۂ آں نجات نمیتواند داد - اگر مرگ مقدرِ بشر نبودے زندگی از قیدِ غلامی بدتر بودے - مرگ نه ہمیں مرضِ خاص را علاج است بلکه ہمه دردہا را دوا است - در فنِ طب مقرر شده است که مرض چندانکه صعب باشد علاج آں نیز باید سخت تر بود - پس ہر مصیبتے که سختی آں از حد در گذرد - علاج آں بہتر از اقدام قتلِ نفسِ خویش نمیتواند شد"۔

این ہست خلاصۂ بعضے از دلائلِ آنانکه خودکشی را جائز بلکه مستحسن شمرده اند - اما کسانیکه بخلافِ آں رفته اند میگویند " احکم الحاکمین که ما را در حصارِ زندگانی محصور ساخته است تا فرمانِ واجب الاذعانِ او در نرسد - نباید پا ازیں حصار بیروں کشیم - زیرا که ما را نه ہمیں برائے نفسِ ما آفریده اند بلکه برائے عبادتِ الٰہی و خدمتِ ملک و خدمتِ قوم نیز مخلوق شده ایم پیش از آنکه اجلِ مسمّٰی در رسد خود را بدستِ خود کشتن از ادائے فرائضِ خود گریختن و مستحقِ سزائے طاغیان و باغیان گشتن است - کسی را شجیعِ شجاعانِ عالم میتواں گفت که بہانہ ہا میانگیزد و تقریبہا میجوید تا به انواعِ حوادث و نوازل دوچار شود و از مقابلۂ آنہا رو برنتابد و تا بتواند بر آنہا غالب

آید۔ پس از مکروہاتِ روزگار گریختن و مرگ را بتحملِ آنہا ترجیح دادن از نکوئی بمراحل دور افتادن است و فاضل‌ترین اخلاق را کہ صبر و ثبات و ہمت و استقلال باشد معدوم ساختن۔

افلاطون در قوانینِ موضوعۂ خود مے نگارد کہ "کمینہ ترینِ مرگہا مرگِ آنکس ست کہ احبِّ احبابِ اصدقِ اصدقا ء را کہ خود نفسِ اوست بدستِ خود ہلاک کردہ باشد و از برکاتِ بقیۂ زندگانی کہ برائے او مقدّر بود محروم ساختہ۔ و باعث بر آں غیر از قصورِ ہمت و جبن و نامردی و ضعفِ عقل چیزے دیگر نباشد۔ آنانکہ زندگی را ہیچ مے پندارند بر عقلِ ایشاں خندہ مے آید۔ آیا نمیدانند کہ بضاعتِ ایشاں کہ بر او ناز میتواں کرد۔ دریں دارِ فانی ہمیں زندگانیِ ایشان ست و بس۔ و بعد از اتلافِ آں ہیچ چیز بدستِ ایشاں باقی نمیماند۔ اگر کسے بر زندگانیِ دیگراں بخندد و آں را حقیر و ناچیز شمارد عجب نیست۔ اما زندگانیِ خویش را حقیر شمردن و بر اتلافِ آں آمادہ شدن غایتِ ابلہی و نادانی ست کہ در ہیچ حیوانے از وحش و طیر و بہائم و سباع نظیرِ آں نتواں یافت"۔

زندگانِ مُردہ

یکے از حکما گفتہ است کہ "آدمی را زندہ نمیتواں گفت مگر آنکہ بخدمتِ بنی نوعِ خود اقدام کند و کارہائے نمایاں و سودمند بروئے کار آوردہ نیک نامیِ جاوید حاصل کردہ باشد۔ ازینجاست کہ ہر کس از شاگردانِ فیثاغورس از تحصیلِ علم اعراض نمودے و از راہِ سستی و بطالت عہدِ صحبت ہمچشماں گسستہ مدرسہ را پدرود گفتے۔ سائر مستفیدان و متعلمانِ فیثاغورس قبرے بنامِ او بساختند و بر لوحِ قبرِ او بنوشتند کہ "فلانے بمرد" تا دیگراں عبرت گیرند و چنیں حیات بدتر از ممات اختیار نکنند۔

پس ہمہ آنکساں بحقیقت از مُردگانند کہ روز و شب در بندِ اکل و شرب و صبح و مسا مشغولِ زیب و

زینت میباشند و نمیدانند که غایتِ زندگانیِ ایشان چه بوده است؟ چه معنی زندگی بحقیقت آنست که انسان در تهذیب نفسِ خویش و نفع دیگران و تزکیۂ نفوسِ بنی نوع هر قدر بتواند کوشش کند۔ بریں تقدیر پیداست که غالب روے زمین بصورت آباد و بمعنی گورستان ہست و غالب مردم بظاہر احیا و بحقیقت اموات اند۔ اگرچه اکثرے از ایشاں باہمدگر بصلح و امنیت بسر مے برند۔ و از اطاعتِ بادشاہ سر نمے پیچند و ابنائے جنس را نمے آزارند۔ و اگرچه عمرہاے ایشاں از ہفتاد و ہشتاد گذشته به نود یا بصد سال میرسد۔ اما بحقیقت زمانِ حیاتِ ایشاں ہماں چند ساعت یا چند روزست که در سود و بہبود خلائق گذرانیده اند۔

دوستی

کسیکه بدوستیِ دوستاں ضرورت ندارد۔ ہمانا انسان نیست بلکه حیوان ہست یا فرشته چنانکه سخت ترین آلامِ جسمانی آنست که جاندار را دم خفه کنند۔ ہمچنیں سخت ترین آلامِ روحانی آنست که آدمی را کس دوست نباشد۔ ہر کس پیش دوستاں احوالِ خود از شادی و غم بیان مے کند گویا شادیِ خود را دو چند میسازد۔ و از غمِ خود نیمے زائل میکند۔ آرے آنکه از دوستیِ دوستان محروم ہست بحقیقت یکه و تنہاست اگرچه خلقے بیشمار بگردِ او جمع آمده باشد چنانکه گفته اند اگر تمامی عالم از دست رود و بعوضِ آں یک دوستِ صادق میسر آید ارزان ست ولاکن بر کثرتِ دوستان مغرور نباید بود که عامۂ دوستان بر مثالِ برگِ درختاں اند۔

خشم بدتر از دیوانگی ہست

کسانیکه خشم را به دیوانگی تعبیر میکنند ہمانا از حقیقت ہر دو بے خبر بوده اند۔ چه دیوانگی عبارت

از ناخوشی دماغ است که عقل را از دماغ زائل کند و کار بدانجا رسد که جملہ تکلیفات ازو ساقط گردد
و ہیچ جرمے که مرتکب آں شود سزاوار تعزیر نباشد و ہر خطاے که ازو صدور یابد او را معذور
شمرند و معاف دارند۔ بخلافِ خشم که از فرطِ حماقت و استکبار بر عقل و دانش مردم غالب آید
و بکار ہا برانگیزد که اگر صادر شود۔ باشد که صاحبِ خشم را مضروب و مقتول گردانند و باشد که
بسزا و تعزیر رسانند۔

محبتِ مادری

محبتِ مادراں با اولادِ خود قوی تر و پائدار تر از سائرِ محبت ہاست که بہیچ حال کم نگردد
و زینہار دگرگوں نشود و ہرگز بملالت نه انجامد۔ پدر ہمیتوانند از پسرے بگردانند و برادر با برادر
دشمن شود۔ و زن و شوہر از یک دگر بگسلند۔ اما مادراں با اولادِ نیک و بد ہموارہ یکساں سلوک
کنند۔ و از مہر و محبتِ ایشاں ہرگز سیر نشوند۔ رفیقی ہر اولاد را دیرینه تر از مادر نیست که از
روزِ استقرارِ نطفه در رحم محافظِ ایشاں میباشد۔ ہیچگاه نمیخواہد ایشاں را از سینهٔ خود جدا کند
یا یک لحظه فراموش سازد یا بنافرمانی و تقصیراتِ ایشاں از مہر دل و ہماے بد بر زبان آرد
محبتش با اولاد از شائبهٔ غرض بکلی پاک است۔ لاجرم در وقتے از اوقات و حالتے از حالات
تغیرے دراں راه نمییابد۔ اگرچه خلق اولاد را گذارد و از تعلقاتِ ایشاں دست برمیدارد
بلکه دنیا و مافیہا را منحصر در اولادِ خود میداند۔

استہزا

بہر مردم خندیدن و به استہزا و مسخرگی عادت گرفتن از دنائتِ نفس میخیزد۔ و جواناں را از

ترقی بمعارج کمال بازے دارد ہیچکس چنانکہ معلوم ہست از عیب خالی نمیباشد تا بحدیکہ نیکوکاران ستودہ خصال نیز نمیتوانند. و ایں حال از آلایشِ عیب بکلی پاک دارند۔ چوں صورتِ حال بدیں منوال است غایتِ ابلہی و محض ناانصافی ہست بہ زلات و خطایاے مردم آویختن و از محاسن و محامدِ ایشان چشم دوختن۔ برنقائص خردہ گرفتن و از کمالات قطع نظر نمودن و ابنائے جنس را اضحوکۂ اشرار و اوباش ساختن۔

چندانکہ غور کردہ میشود استہزا نوعے از موازنۂ تست میانِ نفسِ خویش و نفس آنکس کہ بروے استہزا میکنی تا خویش را از و بہتر و برتر وانمائی و خود را از خود بہتر بہی عجب است از استہزا کنندگان کہ باوجود صد ہنر در ذاتِ دیگراں بریک عیب ایشاں میگیرند و باوصف صد عیب در ذاتِ خویش یک ہنر در خود نشان نمیدہند و عجب تر ازیں آنکہ نہ ہمیں بر عیب کساں میخندند بلکہ ہنرے نیست کہ رخنہ در خوبیِ آں نیفگنند و منقبتے نیست کہ آں را اضحوکۂ اہلِ مجلس نسازند۔

عبارت کتابہ برائے مرقد مرحومی سید امیر علی رئیس دہلی غفر اللہ لہ

نیامد کسے در جہاں کو بماند
مگر آں کزو نام نیکو بماند

سید امیر علی ابن سید وارث علی (رحمہما اللہ) چہل و ہشت سال خوش و ناخوشِ زندگانی دیدہ و تلخی و حلاوتِ ایں دار الغرور چشیدہ شب جمعہ دوم شہر رمضان سنہ ۱۲۹۳ ہجری بادلے راغب الی اللہ و زاہد فی الدنیا داعیِ اجل را لبیکِ اجابت گفت۔ ہمہ عمر بقوت بازو کسب معاش کردہ در چشم خاص و عام موقر و محترم بود۔ و مردانہ و آزادانہ زیست۔ از بدو شعور تا مدتہا دولتی با درس و تدریس کار داشت و تا بود ہم دریں کار بود و ہم بریں بگذشت۔ احدے از

حاکم و محکوم و تابع و متبوع را ابدًا از وے ملالتے نبودہ و کسے از آشنا و بیگانہ زبان بہ شکوہ او نیالودہ۔ الحق از نکوئی و حسنِ معاملت و تواضع و فروتنی و دیگر مناقبِ جلیلہ کہ در طبعش جبلی بود۔ اندکے از بسیار نمیتوان شرح داد۔ و حسنِ خاتمت کہ غایت جملہ نکوئیہاست چنانکہ خود او را میسّر آمدہ از صلحاء و اتقیاء و ابرار و اخیار ہر کرا دست دہد غنیمت کبرے میتوان شمرد۔

ایماں بلب و دل بہ رہ و دیدہ بہ دوست ۔۔۔ با پیک اجل خندہ زناں ہمرہ شد

کتبہ لوح مرقد مرزا الٰہی بخش مرحوم کہ حسب اقتراح جناب مرزا سلیماں جاہ صاحب نوشتہ شد

کُلُّ شَیءٍ هَالِکٌ اِلَّا وَجْهَهٗ

و السپین شمع بزم گورگانی و آخرین ثمرۂ شجرۂ صاحبقرانی صاحب عالم حضرت میرزا ہدایت افزا بہادر المعروف بہ میرزا الٰہی بخش (طاب ثراہ) در سال یکہزار و دویست و بست و یک ہجری از نہانخانۂ غیب بجلوہ گاہ شہود خرامیدہ ہفتاد و اند سال بنظارۂ اعجوبگیہاے ایں عجوزۂ سالخوردہ چشم وا داشتند و با دہر ناسازگار مردانہ برروے کار آمدہ بس مراحلِ دشوار گذار را آسان طے نمودند ہم در عہد امن و سلامت و ہم در طوفانِ حوادث و فتن لنگر سفینۂ نجات در دست ایشان بود۔ و در مدتِ حیات با ہر یکے از طبقاتِ انام آنچناں سلوک ورزیدند کہ اقارب و احباب را بصدق و مصافات و اجانب و اغیار را برفق و مدارات و ضعفا را بہ بذل و مساحت و اقویا را بحسنِ معاشرت در سلک یکجہتی کشیدند۔ شب پنجشنبہ شانزدہم ربیع الاول سال یکہزار و دویست و نود و پنج ناخوشی سعال کہ رفیق دیرینۂ ایشان بود آنچناں اشتداد گرفت کہ ہیچ چارہ و تدبیر مقاومت

بیماری سرفہ ۱۲

آں نتوانست کرد۔ وآثار یاس بر دلہا استولی شدہ ہمیں کہ کلمۂ توحید بزبان راندند و شاہدین را بر اسلام خود گواہ گرفتند۔ زود داعیِ اجل را لبیک اجابت گفتند۔ و ہر یکے را از دور و نزدیک و قریب و بعید سوگوار و ماتم دار و از ذکرِ جمیل و نام نیک بر خاطرِ ہر یک نقشے ستودہ گذاشتند۔

نثرِ قدیم[1]

تقریظ دیوان فارسی حضرت حسرتی رحمہ اللہ تعالیٰ کہ در سال ہزار و ہشتصد و ہفتاد و دو مسیحی در زمان حیاتِ مصنف مغفور نوشتہ بود

رباعی

ہر چند ستایشِ سخن دینِ من است | میگویم و راست گفتن آئینِ من است
در مدحِ سخن ساختگی نیست مرا | تحسینِ سخن شناس تحسینِ من است

الا اے ہوشمند فرزانہ دریں روزگار کہ جنسِ بالا دستِ سخن از متاعِ حُسنِ نوخطاں نارواتر و دم گیرائے اہل سخن چوں نفسِ سردِ واعظاں بے اثر افتادہ است۔ زنہار گمان نبری کہ اندازۂ قدرِ گفتار را نقصان فرا گرفتہ است۔ و سرمایۂ لفظ و معنی بزیان رفتہ چشمۂ حیواں اگر در ظلمات پنہاں گردد خاصیتِ جان بخشی از و بیروں نرود۔ و ماہ کنعان اگر در بازارِ مصر بہیچ نیرزد جوے از فضائلِ حُسنش کم نشود۔ کما قیل ؎

---

[1] اگرچہ قدیم طرز کی نثر سے اب طبیعت متنفر ہو گئی ہے لیکن چونکہ اُن میں بعض نثریں گمراہی بیراہہ روی کے زمانہ کی یادگار ہیں۔ اسلیے اُنھیں بالکل ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا ۱۲ حالی

از قیمتِ یوسف نشود یکسرِ مو کم　　　　هرچند خریدار به بازار نباشد

اگر گوئی که سخن را که مکانتے بلند و قدرے ارجمند است ۔ خود بوجود نکتہ وران سخن پیوند است ورنہ لفظے است بے معنیٰ ۔ و اسمیت بے مسمّٰی ۔ و سخنور چنانکہ معلوم است امروز از جہان معدوم است ۔ پس اگر کبریت احمر را خاصیت اکسیر باشد گو باش ۔ و اگر سایۂ ہما فرّۂ اقبال با خود دارد گو بدار ۔ ازاں کہ نہ موجود است چہ خیزد ۔ و ازینکہ مفقود است چہ زاید ۔ گویم آرے چنانکہ فرمودی ہنر از توابعِ وجودِ اہلِ ہنر است ۔ و عرض از لواحقِ ذاتِ جوہر ۔ و چند انکہ ہنرمند کمیاب ہنر کمیاب تر ۔ اما با ایں قصورِ نظر و نقصِ ادراک ۔ و ناتمامی دانش و نارسائی دریافت کہ مرا دمی رسد چگونہ میتوان گفت کہ اہلِ کمال را بجز در نشیمن عنقا آشیان ۔ و از سخن جز اسم و از سخنور جز رسم در جہان نیست ؎

خاکساران جہان را بحقارت منگر　　　　تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

سرت گردم اگر برقِ حوادثِ روزگار مرغانِ نوا سنج را آشیانہا پاک بسوزد تا عندلیبے در چمن نغمہ سرا است باغ را دشت نتوان خواند ۔ و اگر طلوعِ سپیدۂ سحری رونقِ بازارِ ستارگان بہم شکند تا مہرِ درخشان عالم افروز است جہان را تار یک نتوان گفت ۔ گرفتم ہنر را گرمیِ بازار نہ چندان است کہ کالائے گرانبہائے معنی از ہر دکان میتوان خرید و گنجِ شائگانِ سخن در ہر خرابہ میتوان یافت اما صاحب نظران دانند کہ با اینہمہ نارسائیہا در کیسۂ روزگار رخشندہ گوہرہاست ۔ از چشمِ کور سوادان مانندِ گنج در ویرانہ پنہان و بر سپہرِ کمال فروزندہ اخترہاست از دیدۂ شپّر چشمان چوں مہرِ جہانتاب سر در نقابِ کتمان ۔ علی الخصوص دُرِّ یتیمِ معانی ۔ مہرِ منیرِ فلکِ نکتہ دانی ۔ قائمۂ عرشِ تحقیق ۔ بابِ مدینۂ تدقیق ۔ بحرِ لجّیِ علم و ایقان ۔ کوکبِ دُرّیِ اُفقِ عرفان ۔ بہین ثمرۂ نخلِ باغِ ارادت ۔ گزین نتیجۂ پیوندِ مادّہ و صورت ۔ شناورِ دریائے حقیقت ۔ رہروِ صحرائے طریقت ۔ چارسوئے مملکتِ معنی را نگہبان

خدیو شش جهت عالم حقیقت را فرمانروا۔ نگارستان رنگین بیانی را چهره پرداز و بهارستان شگفته طبعی را چمن پیرا۔ رمزشناس سرائر عقل و نقل۔ نکته سنج غوامض درایت و روایت۔ مرحله پیمای طریق نظر و استدلال۔ قصب السبق ربای عرصهٔ فکر و قیاس۔ شمسهٔ پیشطاق بلندنظری و والافطرتی۔ نواب نجابت القاب محمد مصطفیٰ خاں بہادر متخلص بہ حسرتی ؎

بِلَفْظٍ لَا یُعَبِّرُ عَنْ مَعَانٍ　　　اَحَاطَتْهَا مَکَارِمُ ذِی الْهُمَامِ

اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنَا وَمَتِّعِ الْکُلَّ بِدَوَامِ بَقَائِهٖ وَمُدَامِ لِقَائِهٖ۔ حوصلهٔ بسیطش جانبیست که بلندی همت آسمان اوست۔ و قدر رفیعش آسمانیست که فروغ خرد مهر درخشان اوست۔ ضمیر منیرش نقد حقائق را گنج شایگان۔ چراغ فکرش انجمن قدس را شمع شبستان۔ حلهٔ الفاظش سراپای معنی را پیرایهٔ ناز۔ و حلیهٔ عبارتش گوش و گردن مضمون را زیور امتیاز۔ افسون لطف گفتارش در تسخیر آزاده دلاں چوں قید و بند۔ و معجون نطق شکربارش در مذاق حنظل طبعاں چوں شهد و قند۔ استعاراتش چوں اشارهٔ چشم خوبان دلربا۔ و عباراتش چوں چشمهٔ آب حیواں جاں فزا۔ اطنابش چوں طول شکوهٔ دوستداراں سامعه نواز۔ و ایجازش دلاویزتر از نگاه چشم نیمباز۔ فکرش از دعای سحری شب زنده داراں رساتر۔ و سخنش از نالهٔ نیم شبی جگر خواراں گیراتر۔ فقرهٔ شیرینش نگویم شیرهٔ جان اما پارهٔ شیرین تر از آں۔ و مصرعهٔ رنگینش نگویم برگ گل اما دل از کف ربایندهٔ بلبل۔ رائحهٔ انفاسش از نکهت گل در دماغ بلبل و از عطر پیرهن در مشام یعقوب سازگارتر۔ و شهد مقالش از رشحهٔ زلال در کام مستسقی و از جرعهٔ مے در مذاق مخمور خوشگوارتر۔ الحق گرمی طبع پرزور شرابیست که تمکین پسنداں اگر همه کوه وقار باشند به یک جرعه ازاں خم دل را نگاه نتوانند داشت۔ ورنه خواجه را که عندلیب شاخسار ملکوت۔ و طوطی شکرستان لاهوت است با غزل سرائی و بذله سنجی چه کار و چگونه روا باشد کسے را که در طریق علم و حکمت بر اثر سقراط و افلاطون

قدمے راہ رفتن موجب ننگ و عار باشد۔ در کمینہ صناعتی امثال عرفی و نظیری را مقلد عمل بودن و زلالی و انوری را مقتدای فن ساختن۔ گرفتم در زمان سلف نقد معنی را گنجینہ داران و عرصۂ فکر را شہسواران بودہ اند۔ و ہنگامۂ گفتار را گرمیِ بازار۔ و ریاض سخن را رنگِ اعتبار بیش از زمان صاحب دیوان بودہ است۔ اما کسانیکہ در مصطبۂ ذوق رطلِ گران پیمودہ اند و از مایدۂ تمیز حظّ وافر بردہ نیک میدانند کہ با آنکہ قطرہا در بحر۔ و سبزہا در دشت و دستہا در سبد۔ و نغمہا در ساز۔ و جرعہا در ساغر و بادہا در سبو۔ و بذلہا در گفتار۔ و افسونہا در عمل۔ و شعرہا در دیوان و مصرعہا در غزل فراوان بود۔ ہر قطرہ دُرِّ ثمین۔ و ہر سبزہ گل و ریاحین۔ و ہر دستہ دستۂ گل و ہر نغمہ نغمۂ بلبل۔ و ہر بذلہ نُقلِ محفل۔ و ہر افسون جادوے بابل۔ و ہر شعر تر۔ و ہر مصرعہ نیشتر نباشد۔ رباعی

زمزم نتوان بہ ہر چشمہ رواں
یوسف نتوان خرید از ہر دکاں
ہر لب دمِ اعجاز ندارد چو مسیح
ہر کس نبود چو خسروی سحر بیاں

جادۂ کہ وے در سخن سنجی مے پیماید پیشینیاں نیز پیمودہ اند۔ اما پاشنہ ہا ریش و پا ہا آبلہ دار بودہ است۔ اگر قدمے رفتہ اند۔ و خواجہ ہمہ گلگشت کناں میرود۔ و آہنگے کہ او درین پردہ مے سراید دیگراں ہم سرودہ اند۔ اما نظرہا از سیر و اندیشہ ہا از تگ فرو ماندہ است۔ اگر مصرعے سنجیدہ اند و خواجہ ہمہ بدیہہ مے سنجد۔ آرے نغمۂ حقیقت در پردۂ اشعار سرودن و اسرارِ معنوی در کسوتِ تعبیر و بیان جلوہ گر نمودن نہ کار ہر حریف گفتار شوخ بیان است۔ و آنگاہ حال تا قال و اثر تا عین تفاوتِ بسیار دارد۔ اینک دیوانے ترتیب دادہ و مجموعۂ فراہم آوردہ کہ سخن را اوج کمالے برتر از آں دست دادن و سخنور را سرمایۂ قبولے خوشتر از آں بہم رسیدن دشوار تر از آنست کہ نالۂ مرغان خوش آہنگ بموزونی عشاق و نہاوند تواند رسید۔ و مرغولۂ مطربان جادو نوا

چوں لحنِ داودی آہن را موم تواند کرد۔ بنا میزد خمکدۂ صہبائے ذوق ست و پردۂ آہنگِ شوق نظرگاہِ پاکاں شاہدباز است و نیرنگِ حقیقت و مجاز۔ انیسِ خلوتِ گوشہ نشینان است و جلیسِ صحبتِ عشرت گزیناں۔ تہیدستانِ خرد را سرمایۂ ہوش ست و دُردی کشانِ جنون را بادۂ سرجوش نسخۂ مفرحِ روحانی ست و مجموعۂ لطائفِ وجدانی۔ طالعِ سخن را رقمِ سرنوشت ست و شاہدِ معنی را حُسنِ خداداد۔ روزگارِ فراق را نُجستہ سرگذشت ست و ایامِ وصال را فرخندہ روئداد۔ گلشنِ نظم را نسیمِ بہار ست۔ و زمینِ شعر را آبِ جویبار۔ تفسیدہ درونان را مایۂ فرات ست و شاد آطبعاں را شیرۂ نبات۔ بالائے گفتار را خلعتِ دیبا ست و تشریفِ قبول را قامتِ زیبا۔ آنانکہ خاطرِ نکتہ فہم و طبعِ ادا شناس دارند بیایند۔ و سرتاسرِ ایں قدسی صحیفہ بدیدۂ ہوش بنگرند تا دریابند کہ مرایں نکتہ سنجِ معجز بیاں را در گذارشِ سخن خاصیتے است کہ دیگراں برآں دست نیافتہ اند۔ و اگر ہست پرسی کرلستے ہست کہ از خامۂ الہام طرازش بر روئے کار آمدہ یعنی جمہورِ اہلِ فن چنانکہ دانی اتفاق دارند بریں معنی کہ شعر را چندانکہ از حدِ راستی دورتر برند بقبولِ دلہا نزدیکتر باشد۔ و ہر قدر از اوجِ صدق زیرتر اندازند پایۂ حسنش بالاتر رود۔ و حق اینست کہ سخن بے مبالغہ و اغراق دلفریب نبود۔ چنانکہ نظامی میفرماید ؎

در شعر مپیچ و در فنِ او　　چوں اکذبِ اوست احسنِ او

بااینہمہ گفتارِ آبدارش بے آنکہ چاشنیِ تبلیغ و غلو داشتہ باشد دلاویزتر از عشوۂ شاہدانِ مہوش و ذوق انگیزتر از بادۂ بیغش افتادہ است۔ انصاف بالائے طاعت است ایں مایہ گفتار کہ آسمان برفراز است و زمین در نشیب۔ و چشمان در زیرِ ابرو انند و دندان جملہ در دہان از شنوندہ چہ دل رباید۔ و مستمع را چہ ذوق بخشد۔ پس بے آنکہ نوعے از صنعتِ اندیشہ و ایجادِ طبیعت را دراں راہ دہی۔ چہ ساحری توانی کرد تا سامعہ یاراں بنوازی۔ و شورِ حسنت در انجمن

اندازی۔ ہمانا کار کارِ بشر نیست۔ خواجہ سخن سرائی نمیکند۔ معجز نمائی میکند۔

ہیہات در سپارش راہ مدح جادۂ تنزل پیمودم و ممدوح را نہ باندازۂ قدر والایش ستودم۔ بحث از فضائل ذات و جلائل صفات بود۔ و سخن در توابع و عوارض گفتہ آمد۔ و نختے بدرازی کشید۔ ہرگاہ مشک و زعفران را رائحۂ روح پرور در نہاد است و مہر و ماہ را بوارقِ نورگستر خداداد۔ آن دو را نستودہ چہرہ را بسیاہی و زردی ستودن۔ و این دو رخشندہ گوہر را بگرمی و سردی آفرین نمودن چرا۔ ہمانا قدم رخش کہ بہنگام تاخت بیراہہ رود عیبِ عنان گیر است۔ و پردہ ساز کہ در مقام بلندی بپستی گراید از قصور مغنی است۔ اکنون کہ رہِ نظر را پائے رہ پیما بسنگ آمد۔ و عجز بیان حیلہ جستن و بہانہ انگیختن آغاز نہاد۔ زنہار گمان نبرند کہ مدائح سخن و محامد سخنور بپایان رسیدہ باشد تا خامۂ ستایشگر از خرامش و اندیشۂ ثناگستر از سگالش آرمیدہ باشد۔ حاشا حاشا کہ اگر قصیدہ را وحی و رباعی را الہام و غزل را اعجاز و غزل سرا را معجز نما گفتہ باشم۔ حرفے از آن طومار و اندکے از آن بسیار بسزا گفتہ باشم آہ چہ توان کرد ہم تیر نارسا۔ و ہم صید بلند پرواز۔ ہم شب کوتاہ و ہم افسانہ دراز ؎

زبانِ نکتہ فرو ماند و رازِ من باقیست — بضاعتِ سخن آخر شد و سخن باقیست

الله بس ماسوے ہوس

تقریظِ دیوان سالک

صد قول بیک نفس مطرب میکنم امشب — مستی نہ باندازۂ مے میکنم امشب

حیرت زدۂ نیرنگی این کہن آشوبگاہ۔ حالیؔ نامہ سیاہ کہ دوش در شکنجۂ غم و اندوہ چون مرغ تازہ بدام افتادہ سراسیمہ و دلتنگ و با سخت جانی خویش در جنگ بود۔ اگر حرفے از رو داد خود

سروده باشد۔ ہمانا خویشتن را زحمت و انجمن را کلفت افزوده باشد۔ تکلف برطرف۔ و لے
داشت ہمہ موجِ خوں۔ و سرے داشت سرمایۂ جنوں۔ شبے بہ درازی شب ہائے فراق
و وقتے بہ پراگندگی خاطرِ عشاق۔ بے خودی ہمہ نقدِ گنجینۂ ہوش۔ و مستی ہمہ تعبیرِ خوابِ
فراموش۔ و لولہ ہا میکرد و از جا نمی رفت۔ نالہ ہا میکشید و دم نمیزد۔ گاہے اشک
جگرگوں از دیدہ میبارید۔ و گاہے بر گریۂ خود میخندید۔ گاہے از روزگار نالیدے
و گاہے از بخت نگونسار۔ گاہے بر اہرمن نفریں کردے۔ و گاہے بر نفسِ خویشتن
گاہے در جستجوے وقتِ رفتہ چپ و راست مے نگریست و گاہے از عمرِ رفتہ یاد میکرد و
میگریست۔ گاہے رشتۂ امل چنداں دراز کردے کہ عنقا را اسیرِ دامِ خود پنداشتے۔ و
گاہے از دور باش حرماں آنچناں گسستہ امید گشتے کہ سہل را دشوار و اندک را بسیار
انگاشتے۔ بالجملہ حالتے در پیش داشت کہ قیامتے با خویش داشت۔ درچنیں ہنگام کہ صحبت
احباب چوں فرقتِ محبوب ناگوار۔ و بذلۂ اصحاب تلخ تر از طعنۂ اغیار بود۔ اگر سودائے گفتنی
در سر و خلش ایں خار در جگر نمیداشتم۔ غنچۂ خاطرم ہیچ نشگفتے۔ و دردِ دلم زنہار چارہ نپذیرفتے
رفتم کہ بمطالعۂ دیوانِ حضرت خواجہ شیراز دمے خالی کنم و بیک دو جرعہ از آں بادۂ کہن غمِ
دین و دنیا فراموش سازم۔ تا گرفت از دریچۂ ہوش ایں صدا بگوش خورد کہ ہاں ہاں
حالی روشن نفس۔ اے بفہمِ ادا شناس و بفکر بالغ رس۔ ہم شکر ریزی طوطیانِ ہند
دیدہ۔ و ہم نغمۂ بلبلانِ عجم شنیدہ۔ یکے در چمنستانِ سالک بیا۔ و دیدہ و دل را رخصتِ
تماشا دہ۔ تا دریابی کہ گلشنِ معنی در عینِ خزاں شگفتہ و شاداب است و نہالِ سخن در پایانِ
موسم تازہ تر از عہدِ شباب۔ ندانم ایں صدائے دلکش از کجا بود و چہ بلا گرمی اثر با خود
داشت کہ تا از پردۂ گوش بدل فرود آمد۔ مرا در سر نگذاشت۔ چوں بخود باز آمدم گرم از جا

برخاستم و دیوانِ سالک خواستم۔ سبحان اللہ کتابے دیدم چوں نسخۂ جمالِ یوسفی سراپا انتخاب
و زلیخائے سخن را بازگشت عہدِ شباب۔ ابیاتش ریختہ اما رشکِ پہلوی و دری۔ بیانش
سادہ اما نمونۂ گفتار سعدی و انوری۔ مضامین ہمہ تازہ و نو۔ معانی ہمہ الفاظ را در گرو۔ قصیدہ
و غزل ہمہ طلسم رنگ و بو۔ قطعہ و رباعی ہمہ کرشمہ و جادو۔ ذکرِ فراق دل آویز تر از وعدۂ وصال
شکوۂ جفا طرب انگیز تر از مژدۂ وفا۔ آنجا کہ طولِ مقال است لفظ را اندازۂ وسعتِ خیال است
و آنجا کہ اختصارِ بیان است ہفت دریا در کوزہ نہان است۔ منکہ جز بگفتارِ پیشینیان سرے و
در کوچۂ خموشاں گذرے نداشتم۔ از حلاوت ایں ثمر نو رس آنچناں کار کام و زبان ساختم کہ
دل از ذوقِ قند نظیری۔ و چاشنی نمک عرفی بکلی پرداختم۔ گویند ہر سخن سنج را در غزل
سرائی طریقے خاص است کہ مر او را بداں طریق اختصاص است۔ یکے از آتشِ عشقِ مجاز
چراغے در راہ فکر نہادہ۔ و دیگرے از عالمِ حقیقت درے بر روے دل کشادہ۔ یکے در جستنِ
معنیِ بلند با عنقا ہم پرواز۔ و دیگرے در بستنِ معاملات و وقوعی کرشمہ سنج و سحر پرداز۔ یکے را
وصفِ دلدار پیرایۂ بیان۔ و دیگرے را رشکِ اغیار تازیانۂ زبان۔ کمتر کسے بودہ باشد کہ
ایں ہمہ مراحل را بیک رفتار پیمودہ باشد۔ آرے در ہر شیوۂ سخن نغز گفتن و در ہر رشتہ
گوہرِ معنی سفتن۔ نہ حدِ ہر چرب گفتار شوخ بیان است۔ اما در خمکدہ کہ غالب بادہ فروش است
و سالک بادہ پیما۔ بادہ ہا ہمہ سرجوش است و نشہ ہا ہمہ رسا۔ اینجا مستیِ حریفاں در شمار نہ
بینی۔ اینجا حریفے در خمار نہ بینی۔ اینجا لاے خوار انند بر چرخ موج زن۔ اینجا دُردی کشانند
باعطارد ہم سخن۔ اینجا نواہاے گوناگوں از یک قانون بر می خیزد۔ اینجا اداہاے رنگارنگ
از یک طبع موزوں سر بر میزند۔ اینجا ہر کس جانِ سخن است و سخن جانِ او است و حُسنِ
معنی از آنِ او ست بلکہ آیۂ در شانِ او ست۔ خاصہ آں آئینۂ صورت نماے غالب۔ و

مرا و ہمچو من ہزار را بجائے غالب۔ آں در سخنوری یکتا۔ و در پاک گوہری بے ہمتا۔ آں در شعلہ زبانی علم و در شیوہ بیانی مسلّم۔ آں رہروِ قدسی مسالک جناب مرزا قربان علی بیگ متخلص بہ سالک لازال ظلہٗ ظلیلاً و ذکرہ جمیلاً کہ امروز در نکتہ وری و نکتہ سنجی اُستادِ استاد است۔ و جہان آباد از شرف وجودِ مسعودش جہان آباد ہست۔ الحق اگر سخن را صہبا میتواں گفت سخنش سر جوش بادۂ سخن است۔ و اگر شاعری را فن میتوان خواند خواجہ یگانۂ ایں فن است۔ یارب چنانکہ ہند از غالب خلد آرامگاہ رشکِ ایران و توران بودہ است۔ دہلی از سالکِ معنی پناہ غیرتِ شیراز و صفاہاں باد۔"

تقریظِ دیوانِ قلق

ایں دیوانِ غرابت عنوان از افاداتِ مرحومی حکیم غلام مولیٰ المتخلص بہ قلق است کہ شاگردِ رشید۔ خانِ رفیع المکان جناب غفران مآب حکیم مومن خانِ مومن بودہ اند۔ اصل ایشاں از میرٹھ و در دوازدہ سالگی از آنجا بہ خیر البلاد جہان آباد آمدہ و بہ کسبِ کمال و تحصیلِ علم پرداختند۔ و تا زمانیکہ واقعۂ طغیانِ سپاہِ یاغی آں شہرِ لطافت بحر را موردِ آفات و مرکزِ فتنہ و بلیّات کردہ۔ ہمدرینجا اقامت داشتند۔ مدّتے طویل زبانِ پارسی از انفاسِ متبرکہ مولانا امام بخش صہبائی فراگرفتند۔ گویند از جملۂ شاگردانِ آنجناب بہ جودتِ طبع و حدّتِ ذہن اختصاص داشتند۔ و صرف و نحو و منطق و دیگر فنونِ عربیہ را از مُلّا انتظام علی سہارنپوری اخذ کردند۔ و طب از حکیم غلام نقشبند خاں دہلوی کسب نمودند۔ درآں ایام کہ گلشنِ دہلی را آخرِ فصلِ بہار بود۔ جمعے از گرانمایگانِ عالمِ معنی و چابک خرامانِ عرصۂ سخن چوں غالب و ذوق و مومن و سائرین کہ در سخنوری و نکتہ پروری فخرِ دہلی بل نازشِ ہندوستان بودند۔ دریں

معمورہ جا داشتند۔ و از فیضِ وجودِ ایشان عالمے را ہوائے شعر و سخن در سر افتادہ بود۔ حکیم مغفور کہ با موزونیِ طبع وجودتِ ذہن فکرے بلند پرواز داشتند۔ باوجود مشاغلِ علمیہ نتوانستند خود را ازیں بادۂ مرد افگن برکراں دارند۔ لاجرم داعیۂ غزل سرائی در خاطرِ ایشاں پدید آمد۔ مومن مرحوم را چنانکہ از مطالعۂ دیوانِ ایشاں مفہوم میشود بہ استادی برگزیدند ورفتہ رفتہ در خاطرِ استاد موقعِ قبول یافتند۔

مخفی مباد کہ مومن مرحوم در غزل و اصنافِ دیگر از سخن دو طریق مسلوک داشتہ اند یکے عام و دیگر خاص۔ طریقے کہ عام ہست و آں کمتر ہست۔ ہمیں طریقۂ میر و میرزا و سائر ریختہ گویانِ نامی و استادانِ گرامی ہست۔ و طریقے کہ نتیجۂ طبعِ وقّادِ ایشاں مخصوص با ایشان ہست۔ اگرچہ از شاہراہِ عامّۂ شعرا بیگانگی دارد اما سببِ شہرت و بلند آوازیِ حکیم سابق الوصف شدہ ایشاں را در چارسوے ہندوستان بہ استادی و نازک خیالی و دقت آفرینی علم ساختہ۔ از انجا کہ حکیم مولیٰ بخش قلق را میلِ طبع و مناسبتِ خاطر بطریقۂ خاصّہ خویش دیدہ بودند نظرے خاص بحالِ ایشاں مے گماشتند۔ و بعلاوۂ اصلاحِ سخن و القاے غوامض و دقائقِ ایں فن انواعِ لطف و کرم و اصنافِ شفقت و عنایت مبذول میداشتند تا آنکہ سخنِ ایشاں نوعے پختگی پیدا کردہ ہر جا کہ بزم مشاعرہ انعقاد مے یافت با استادانِ دیگر ہمطرح شدہ دادِ غزل سرائی میدادند و حاضرین را تعجب بر تعجب و حیرت بر حیرت مے افزودند۔ چوں آتشِ بغی و فساد در چارسوے دہلی بالا گرفت۔ ما منے بہتر از آنکہ بوطنگاہ خود معاودت کنند۔ درمیان ندیدند۔ ناگزیر از دہلی بہ میرٹھ رفتہ ہمدر آنجا رختِ اقامت انداختند۔ و تا سال ہزار و دو بیست و نود و شش کہ سالِ رحلت ایشاں ازیں خاکدان بہ عالمِ جاودان ہست در انجا بودند۔ در بعضے مدارس دولتی خدمتِ درسِ فارسی با ایشاں

تعلق داشت کہ وجہ معاش و سامانِ قوتِ لایموتِ ایشاں بود۔ بسیار قانع و غیور بفضل و ہنر از مال و دولت مستغنی و در شعر و سخن عند طائفۃٍ بہ استادی علم بودند۔ و نیز در طبابت دستے داشتند و لختے از اوقاتِ عزیز را در معالجہ و مداواے مرضیٰ بذل مینمودند۔ از وصایاے ایشاں کہ پیش از وفات باکہین برادرِ خود درمیان نہادند یکے آں بود کہ دیوانِ اشعار ایشاں را بقالبِ طبع ریختہ اشاعت آں کردہ باشند۔ یگانہ دادگر مہرگستر و فرزانہ ہنرور ہنرپرور ابو محمد عبد اللہ کہ برادرِ اصغر حکیم مغفور میباشند۔ باآنکہ در مدارسِ انگلیسی تعلیم یافتہ عمرے دریں وادی بسر بردہ اند و چنانکہ داب اکثر از انگلش دانان است۔ ذوقِ شعر و سخن کمتر دارند و نیز از خدمات متعلقۂ خود فارغ نیستند۔ باز وصیتِ برادر مرحوم را از جملۂ فرائض مکتوبہ دانستہ کوششے بلیغ و توجہے فوق العادۃ در طبع و اشاعتِ کلامِ ایشاں بکار بردند۔ و مانندِ اخلافِ رشید و اعقابِ سعید وصیتِ آں مغفور بجا آوردہ نامِ برادر را بگیتی سمر و خود را از برادر نکونام تر ساختند۔

لراقمہ

گر برادران رفیقاں مہر و دوستی ورزند۔ چوں رسد بفرزنداں نوبتِ نکو نیہا۔

عرضداشت بحضور نواب کلب علی خاں بہادر رئیس رامپور
در شکر عطیۂ دیوانِ فارسی موسوم بہ دستنبوی خاقانی و مجموعۂ نثر فارسی موسوم بہ دُرّ التاج

عالم پناها! سہ روز ست کہ بعد یکماہہ سفر پانیپت کہ در اوائلِ رمضان فجاءۃً بحسبِ ضرورت اتفاق افتادہ بود بدہلی رسیدم و نسخۂ اکسیرِ اعظم یکے

ورقۃ التاج و دیگر دستنبوے خاقانی بتوسط کرمی میرزا داغ برخوردم آنا بسبب تاخیرے کہ در گذاردن فریضۂ سپاس گذاری بالاضطرار لا بالاختیار بر روے کار آمد بغایت منفعل شدم اما الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ کار با حضرتِ کریمے است کہ ہم خطا پوش است وہم عذر نیوش۔ بالجملہ در شان ایں ہر دو شاہدِ رعنا زبان بمدح کشودن روشنان سپہر را بقلن وتخمین برشمردن وعشر عشیر بحر محیط را بہ گز پیمودن است۔ سبحان اللہ با وصف مفاخر دینی و دنیوی و کمالاتِ صوری و معنوی و فضائل علمی و عملی و محامد خَلقی و خُلقی و محاسن وہبی واکتسابی در نظم و نثر اُردو و فارسی نیز کہ درین مرتبہ جلیلہ خدام والا مقام ہست مکانتے ارجمند کہ امروز باذاتِ قدسی صفات ہست۔ در عامۂ ابناے زمان عموماً و در اہلِ صناعت خصوصاً کمتر دیدہ میشود۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ کسانیکہ شعر را قمیص خود ساختہ اند و عمرے دراز دریں وادی خاک پیزی کردہ ہر آئینہ از منزلگاہِ خسروی بمراحل دور افتادہ اند۔ آرے ؎

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

یارب شجرۂ طیبۂ ذات ملکی صفات کہ اصل او در زمین و فرع او فوق السمٰوٰت است اَبدَ الآبدین و دہرَ الداہرین از ثمرات گونی والی بارور و بر فرق ابناے امانی و آمال سایہ گستر باد۔

ایضاً

بعد از تقدیم وظائفِ خیر اندیشی و دعاے صحت و سویت مزاج اقدس اعلے کہ عین معین فیض عام و رکن رکین بناے اسلام است بعرض مطلب مے پردازد۔ امید گاہا دریں نزدیکی بسمع فدوی ہوا خواہ رسیدہ کہ از نا خوشی ہاے دیرینہ دریں روزہا تغیرے

بطبعِ اشرف بندگان حضور راه یافته است ـ همیں که این خبر مشوّش بگوشِ خیر سگال خورد سوابقِ حقوقِ خسروی که مرّةً بعد اُخریٰ بریں بنده متحقق بوده است برآں آورد که خود را مهلتِ یک ساعت نه داده زود از جائے برخیزد ـ و هر قدر عجلت که میتواں بکار بُرد بجا آورده بدر دولت رسد ـ و چشمِ تمنا را بنورِ جمالِ باکمال منور گرداند ـ اما یک ماه بیش گذشته باشد که به عوارضِ نزله و سُعالِ مفرط و ذات الجنب وغیره مبتلا است ـ و ازیں جهت در اداے فرائض خدمتِ متعلقه نیز قصورے راه یافته است ـ و نیز نمیتواند خود را به وطن برساند پس بکمالِ شرمساری و خجالت خوے از جبین سر داده و سر در پیش افگنده بتمهیدِ عذر و پوزش جسارت مینماید ـ بو که بموقفِ اجابت رسد ـ و مع ذٰلک عزم جزم کرده است که هرگاه در امراضِ لاحقه افاقتے بهم رسید علی الفور باندازِ تقبیلِ عتبهٔ عالیه خواهد شتافت ـ و مهما امکن از عهدهٔ بعضے از حقوقِ بندگی بیروں خواهد آمد ـ امید از درگاه قاضی الحاجات و مجیب الدعوات آں دارد که لشکرِ دعاے عاملے از مساکین و ضعفاء و اراذل و ایتام و صلحا و زهّاد و فقرا و عبّاد و دیگر بندگانِ الٰهی که از مائدهٔ نعمتِ خسروی بهره مے ربایند و در سایهٔ عاطفتِ حضور تربیت می یابند ـ زود مدافعتِ جمله بلیّات و مقاومتِ تمامی مکروهات تواند کرد که مخبرِ صادق علیه الصلوٰة والسلام دعا را رادّ القضا فرموده است ـ اَللّٰهُ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ +

عریضه بنامِ نامی جناب مرزا اسد الله خان غالب در بیانِ معنی شعرِ نظیری که جنابِ ممدوح آنرا ناقص العیار و نظری قرار داده بود حسب الایماے انجناب

قبله و کعبه ـ سخنے را که اندازه دانانِ گفتار و ادا شناسانِ معنی از نظرِ اعتبار انداخته باشند ـ گو هم از نظیری و عرفی باشد هیچ تاویل و توجیه طراز قبول نقداں و ادا خاصه بسعیِ هیچمدانے

کہ بلدِ راہِ سخن و مردِ ایں فن خود نیم چگونہ ایں نقش درست تواند نشست۔ الحق شکستہ
[واقف ۱۲] را بستن و گسستہ را پیوستن و پارہ را دوختن کارے است بس دشوار و دشوار تر ازاں است
طرف شدن با استادانِ فن و مردانِ کار۔ و آنگاہ باکسیکہ در سخنوری و سخندانی و نکتہ سنجی و
نکتہ رانی یگانۂ روزگار بودہ باشد۔ حقا کہ پاسِ امتثالِ امرِ واجب الاذعان در نظر دارم ورنہ
در نگارشِ معنیِ شعرِ نظیری کہ مخدوم آں را نظری داشتہ اند ہرگز جرأتے بکار نمے رفت چہ
مرا کہ ازاں چشمہ آب خوردہ ام و ازاں مائدہ زلہ ربودہ ام۔ اگر بفرضِ محال رائے در فہمِ معنیِ
شعر بر صواب بودہ باشد۔ در برابر گفتگوئے کہ باآں حضرت درمیان آید چارہ جز تسلیم و
جواب جز خموشی نیست۔ للہ الحمد کہ سر از فرمان نہ پیچیدہ ام۔ اگرچہ سر رشتۂ ادب
از دست رفتہ است۔ خطا نمودہ ام و چشمِ آفریں دارم۔ والسلام مع التحیۃ والتکریم +

قال نظیری

جذبِ عشقم فی المثل در حسن پیدا ساختن   خضرِ چاہِ یوسفم از آبِ حیوان نیستم

بدانست خاکسار قائل از عشق و حسن دریں شعر عشق و حسنِ مطلق خواستہ است۔ چنانکہ ایں
ہر دو مفہوم از حدیثِ قدسی کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ
مستفاد مے شود۔ کنزِ مخفی ہماں حسنِ مطلق است۔ و اقتضائے ذاتی کہ از لفظ احببتُ متبادر
میشود تعبیر ازاں بعشق میتواں کرد۔ اگرچہ منشائے ظہورِ کنزِ مخفی ہماں اقتضائے ذاتی است
و بس۔ اما اطلاقِ منشائیت بر اعیانِ موجودات ہم کہ بمنزلۂ علتِ مادیہ اند۔ مر آں ظہور را
در امثالِ مقدماتِ خطابیہ و شعریہ میتواں کرد۔ قائل دعوے میکند و در دعوے خود
صادق است کہ منکہ از جملۂ اعیانِ موجوداتم در پیدا ساختنِ حسنِ مطلق حکمِ جذبِ عشق پیدا
کردہ ام۔ گویا خضرم کہ از چاہِ یوسف نشان میدہم نہ آں خضر کہ از آبِ حیواں نشان دہد بس

خود را بجذب عشق۔ و کنز مخفی را کہ عبارت از حسن مطلق است بیوسف در چاه افتاده تشبیه داده است و وجه تشبیه ظاهر است فقط ۱۲

بنام جناب حافظ قاضی عبدالرحمن مرحوم پانی پتی متخلص بہ تحسین

یارب این قدر سرگرمی آرزو و فزونی سرِ خواهش اگر از جنون جولانی هوس نیست هرزه کاری طمع خام است۔ حیرانم که وسعت دمِ زخم و بعد از بالیدگی پیکر جان و در کاهیدگی و بیتابی دل در فزونی و توسن صبر در حرونی چرا است۔ و اگر اینهمه توقفها نیها از خوشنگری مهر و وفا و بالادستی شوق کار فرما است۔ انچه بیست که صاعقه حسبت هنوز بخرمن آسایش دست همتی نگماشته و صرصر تاثیر دوستی برقع بے نیازی از خاطر نازکش بهنداشته۔ چه اگر آنست دیر تر صورت نه بندد و اگر نیست از دل بدل زود پیوند۔ کما بیش شش سال است که دل جویای وصال و جان آرزومند ملاقات و چشم طالب دیدار و گوش مشتاق پیام است۔ مهر که یکچند از غصه انتظار و دندان بر جگر افشرده و روزگارے بیاد دوستدارے بسر آورده باشد۔ مے داند که جاودان به عذاب دوزخ مبتلا بودن به که ساعتے در امیدواری گذرانیدن۔ آه از من که عمرے بدین غم و غصه و تپش اضطراب گذرانیده و شبها از قلق جدائی نخفته و روزها از آویزش و روئی نیارمیده ام ؎

بے تو گزیسته ام تلخی این رنج　　　نگذار از مرگ که وابسته بهنگامے هست

هر چند در نگارش احوال خود با و پرسش اخبار همدگر تصورے دو رنگی که رفته نه از آنسو بلکه از ینسو هم برروے کار آمده۔ و از ینجا ست که در شکوه گذاری خامه را دلیر نمیتوانم کرد۔ اما اگر راست پرسی و از حق نه رنجی میتوانم گفت که در پرسش چه سے اخبار و تفتیش احوال کوششے که بجا آورده

وجہدے کہ بکار بردہ ام مرا از عہدۂ پیام گذاری و نامہ نگاری بدر آوردہ۔ اگر باور نکنند اینک عالمے بر صدقِ دعوے من گواہ است۔ ہر کجا کہ رفتہ۔ باکسے از روشناسانِ شما برخوردہ ام اول از شما پرسیدہ ام۔ باز سخن دیگر بر زبان راندہ ام۔ اما از شما آنمایۂ التفات بلکہ صد یک آں ہم چشم ندارم۔ و چگونہ چشم تواں داشت کہ باآنکہ زمانے دراز در پانی پت اقامت ورزیدہ و با بسیارے از آشنا و بیگانہ صحبتہا اتفاق افتادہ۔ اما یاد ندارم کہ در پانی پت کسے کہ یاد آوردن شما ازیں ناکس گمنام بمیان آوردہ باشد۔ حقا کہ استواریِ اساسِ مودت و اتحاد و صفائے مشربِ عذبِ اخلاص نہ بحدیست کہ آں بہیچ صدمۂ از جا تواند جنبید و ایں بہیچ کدورت متغیر تواند گشت۔ ورنہ داد آنست کہ درمیانۂ آشنائی و بیگانگی گردشِ چشمے بیش نیست ؎

نومیدی از وصالِ تو طاقت گداز بود　　　صد جا گرہ زدیم امیدِ بریدہ را

الحاصل بندہ تا یک ماہ در دہلی مقیم ست امید کہ زود نہ دیر جوابِ ایں اخلاص نامہ ارزانی فرمایند۔ بدیں نشان کہ لفافہ در دہلی متصل چتلی قبر بمکان نواب محمد مرتضیٰ خاں مرحوم نزد مکتوب الیہ برسد۔ ان شاء اللہ تعالیٰ بعد رسیدن جواب آں سرگذشت ایام جدائی بتفصیل نگارش خواہم کرد۔ اکنوں کہ ورق بپایاں رسید و مجالِ وقت تنگ و افسانہ بس دراز ؎

نامہ بحرفِ اشتیاق تمام　　　ختم شد۔ والسلام والاکرام

ایضاً

رسید نہاے منقارِ ہما بر استخوانِ غالب　　　پس از عمرے بیادم داد رسمِ راہ پیکاں را

الحمد للہ کہ نامۂ والا بعد مدتِ دراز رسید و رابطۂ دیرینہ را نوی بخشید و مرا از شکایتہائے بیجا

منفعل ساخت۔ دانستم کہ برانداختنِ مراسمِ صوری پیوندِ معنوی را زیان نہ دارد۔ اما ایں قدر
ہست کہ چوں راہِ نامہ و پیام بستہ شود و ایں حالت بحنتے بہ درازی کشد تا کسے را از ہر دو
جانب بحکمِ بے اختیاریہائے شوق سر رشتۂ ضبط و تمکین از دست نرود و سر حرف باز نتواں
کرد۔ و باخبار ہمدگر بہ نتواں خورد۔ گمان نبرند کہ درپردۂ سپاس گذاری بر دوست منت ہمی نہم
ہمانا شکرے کہ بوئے شکایت نہ دہد و سخنے کہ بکنایہ ادا کردہ نشود۔ بیگانۂ مذاقِ آشنائی است
ورنہ حاشا ثم حاشا کہ اندیشۂ دیگر در سینۂ اخلاص آگیں گنجایش داشتہ باشد۔ چوں از سرگذشت
مخلص استفسار فرمودہ اند پارۂ ازاں گذارش کردہ میشود۔ خفی مباد کہ ہرگاہ سنگِ تفرقہ
بر سرِ جمعیت رسید و گلشنِ فراغ را موسمِ خزاں فرا پیش آمد۔ شما در گورگانوہ از یار و دیار دور و
من ہم بہ پانی پت در شکنجۂ جدائی رنجور۔ دو سہ سال در بیت الحزن معتکف بودم و دل ہمیشہ
را بوعدۂ امروز و فردا ہمے فریفتم تا آنکہ لشکرِ وحشت ہجوم آورد و سر رشتۂ ثبات از دست
رفت۔ رختِ سفر بدہلی کشیدہ آمد۔ و ازانجا بمیرٹھ و ازانجا بہ مرادآباد۔ و باز از مرادآباد
بجانبِ سکندرہ اتفاقِ مراجعت افتاد۔ روزے چند ہم در آنجا بخدمتِ برادرِ مکرم اقامت
ورزیدم۔ چوں دو سہ ماہ بریں برآمد و خواہشے کہ دریں کشش و کوشش مطمحِ نظر بود روائی
نہ پذیرفت۔ ناچار با زمانۂ ناسازگار در ساختم۔ نواب محمد مصطفٰے خاں بہادر رئیسِ جہانگیر آباد
در بلند شہر اقامت داشتند۔ مرا بخدمتِ ایشاں بردند۔ بعد از آنکہ گفتگوہا و پرسش چندہا
بمیان آمد بحکمِ مناسبتے کہ دیدند مرا در گوشۂ خاطر جا دادند و بملازمتِ خود برگرفتند۔ کما
بیش چار سال است کہ در جہانگیر آباد زندگانی بسر مے برم۔ وجہِ معاش اگرچہ متاہل را کافی است
اما لطفِ صحبت از حوصلۂ توقع فزوں تر است۔ و دریں روزگار کہ آدمی عنقا و آدمیت حکمِ
کبریتِ احمر دارد۔ ملازمتِ ایں یگانۂ روشن طبع آگاہ دل را از فتوحاتِ غیبی مے شمرم

ذہنِ ثاقب و فہمِ رسا و طبعِ جواد و خُلقِ کریم و فکرِ صائب و نظرِ عمیق بدیں پایہ کمتر دیدہ شدہ الحق فرشتہ را طبعِ کرشمہ سنج و خاطرِ سحر آفریں بخشیدہ بصورتِ انسان آفریدہ اند و اگاہ خون گرمی خلف الصدق ایشاں نواب محمد علیخاں کہ بحلیۂ تہذیب آراستہ و بزیورِ اہلیت پیراستہ مردے است مرا از من ربودہ است سخن کوتاہ حالتے دارم کہ اگر چرخ بر من رشک برد مے رسدش ۔۔

روزگارم گر چنیں با او نظیری بگذرد ۔۔ رشکِ آید عالمے را بر من احوالِ من

شنیدہ ام کہ دریں عرصہ مدتے ورزشِ سخن را بغایتِ کمال رسانیدہ اند۔ از میرزا صاحب اکثر ستایشہا در بارہ آں مکرم شنیدہ ام حیف صد ہزار حیف کہ من بگفتارِ شما کارِ کام و زباں نسازم۔ و بیگانگاں از آں کامیاب شوند۔ امروز بہ پانی پت میروم رمضان ہم در آنجا بسر مے برم۔ پاسخِ اخلاص نامہ بہ پانی پت فرستند۔ و زود فرستند و یک دو غزل از نتائجِ فکرِ بلند دراں صحیفہ رقم فرمایند۔ و اگر فرصت دست دہد در زمینِ غزلِ نظیری کہ بالا گذشت سگالش فرمودہ سامعہ یاراں بنوازند۔ بارہا تذکرہ صاحب با نواب صاحب درمیان آمدہ است۔ اما از گفتارِ شما ہیچ نشنیدہ اند۔ و لاکن شوق بسیار دارند۔ دیگر آنکہ طولِ ایامِ جدائی بنہایت رسید و چرخِ [illegible] ہمچناں در صددِ تفرقہ اندازیست۔ و فرصتِ جمعیت چوں وقتِ رفتہ باز آمدنی نے نماید و غالب کہ بقیۂ زندگی در آرزومندیہا بگذرد۔ اکنوں کہ ماہ رمضان است۔ تقریبِ عزمِ وطن بہتر ازیں بدست نخواہد آمد۔ اگر آں مکرم نیز دریں ایام بہ پانی پت بیایند و ماہ مبارک ہم در آنجا بسر برند چہ خوش باشد۔ واللہ معکم اینما کنتم۔

بنامِ جناب منشی امیر احمد صاحب مینائی

ساختن ممنونِ دیدار و بحسرت سوختن ازتصرفہائے حرمانِ خداداد و منست

یارب ہر دردے را بدوائے چارۂ بہستواں کرد و ہر گرہے را بناخنے باز میتواں

نمود۔ اما سوز درون کہ تمنا نام دارد۔ نامِ دگرش ناشکیبائی ہست چہ بلا زحمتی است کہ

بہ ہیچ افسون چارہ پذیر نیست تشنہ را بجرعہ آبے و گرسنہ را بہ پارۂ نانے تسلی میتواں

داد۔ و آرزومندِ دیدار بوصالِ جاودانی سیر نتواں کرد۔ ازینجاست کہ پروانہ در صفِ

چراغاں از تپ و تاب باز نہ استد۔ و بلبل در چمنِ بہاراں از نالہ و شیون دم

فرو نہ گیرد۔ گوئی مغلوبِ سطوتِ شوق نوش از نیش و ہجر از وصل باز نشناسد

وَلِلّٰہِ دَرُّ مَنْ قَالَ ؎

قَالُوْا لِقَا الْحَبِیْبِ لِلْمَهْجُوْرِ تَسْلِیَۃٌ وَلَیْسَ ھٰذَا سِوٰی ھَذْیٍ وَّ مَهْجُوْرٍ

فَالْوَصْلُ عِلَّۃُ ھٰذَا الْاِعْتِلَالِ فَھَلْ یَحُوْلُ السُّمُّ تِرْیَاقًا لِّمُتَّکِلِیْنَ

پسے بر نیامدہ کہ نامۂ نامی خدام نزولِ جلال فرمودہ از جمالِ دل آرائے لیلیٰ نثر جلوہ ہوش

ربائے شاہدِ نظم دو غرفۂ حدیقۂ معنی بروے دل باز کشود و از حضورِ روحانی کہ بحکم سابقہ

ازلی و ایما میسر بودہ است و خواہد بود بہ شہودِ جسمانی رسانید۔ و حجابِ دوری کہ پردۂ چشم

بود نہ غشاوۂ بصیرت از میان بر داشت۔ جائے آن بود کہ ازیں شادی بر خود بالیدمے

و در پیرہن نگنجیدمے۔ اما تشنگیِ شوق کار فرما نگذاشت کہ لختے بخود آئیم و از صبر راحت

بہرہ بریم۔ بالجملہ جگر تشنگیِ طلب بجائے رسیدہ کہ بزلالِ وصال ہم فرو نشستنی نیست

تا بہ نامہ و پیام چہ رسد۔ حیرانم کہ دریں کشش و کوشش چہ مے جویم و چہ مے خواہم

میگریم و از گریہ چو طفلم خبرے نیست　　در دل ہوَسے ہست ندانم کہ کدا ست

ہیہات مضمونِ شکر ہمہ در لباس نظم ادا کردہ شد و باندازۂ شورش نہاں ہنوز یکے از صد نگفتہ ام۔ بہ کہ بعجزِ بیان معترف شوم و سخن بریں یک بیتِ عرفی تمام کنم ؎

غمزہ چوں تیغ زند لب نہ کشائی عرفی　　کہ بہ تحسین تو کیفیتِ زنہارے ہست

والتسلیم

نظمِ عربی

نظم عربی جو مخدومی منشی محمد کرم اللہ خاں دام بقاؤہم کی شادی کتخدائی کے موقع پر بطور مبارکباد کے بیماری کی حالت میں لاہور سے دہلی بھیجی گئی تھی

(۱) بنفسی ما بہ جاء البشیر — وما افدی بہ لشیءٌ یسیرٌ

(۲) فبشّرنی وقد القیت سمعی — بسؤددٍ لا یکافئہ سرورٌ

(۳) فقمت اذًا وکیف یقوم مثلی — نحیفًا لیس یبعثہ النشور

(۴) شکیًا لا یصاحبہ انیسٌ — غریبًا لا یُزار ولا یزور

(۵) نسیت ولم اکد انسی ہمومی — فما ہذا النشاط وذا السرور

(۶) اری الارجاء قد ملئت بہاءً — وفی القمرین فوق النور نور

(۷) فیا للرّبع من ربعٍ بہیجٍ — بہ صحبٌ واخوانٌ حضورٌ

---

۱ میری جان فدا ہو اُس خبر پر جو قاصد لایا ہے۔ مگر جو چیز میں فدا کرتا ہوں وہ حقیر چیز ہے ۱۲

۲ اُس نے مجھے ایسی خوشی کی خبر دی جس کی کوئی خوشی برابری نہیں کر سکتی ۱۲

۳ میں خوشی کے مارے کھڑا ہو گیا مگر مجھ جیسا ناتوان کیونکر کھڑا ہو سکتا ہے جسکو یوم نشور بھی نہیں اُٹھا سکتا

۴ ایسا بیمار جسکا کوئی مونس نہیں اور ایسا مسافر کہ نہ اُس سے کوئی ملے اور نہ وہ کسی سے ملے ۱۲

۵ میں بھول گیا اپنے رنج جنکو بھول نہ سکتا تھا یہ کیسا نشاط ہے اور کیسی خوشی ہے ۱۲

۶ میں چاروں طرف روشنی ہی روشنی دیکھتا ہوں۔ اور چاند سورج میں معمولی نور سے زیادہ نور پاتا ہوں ۱۲

۷ وہ پُررونق مجلس کیسی مجلس ہوگی جس میں یار اور بھائی جمع ہوں گے ۱۲

كَأَنَّ النَّاسَ حَوْلَ العُرْسِ كَانُوْا	نُجُوْمًا بَيْنَهَا قَمَرٌ مُنِيْرُ
وارجو حضرة الاصحاب فيه	بشوقٍ لا الى هوسٍ يصيرُ
فان يك فَاتَنِيْ ما كنت ارجو	اذًا قد فاتني خيرٌ كثيرُ
أُحِبُّ وَلَسْتُ أَكْذِبُ عُرْسَ قَوْمٍ	لهم ولعرسهم شانٌ كبيرُ
ابوه وجدّه وهلمّ جرًّا	سريٌّ او غنيٌّ او اميرُ
له فى ذاته كرمٌ عميمٌ	كما فى اسمه كرمٌ شهيرُ
فقرّت أَعْيُنُ الزّوجين قرًّا	الى ما كان للدّنيا قرورُ
وكان مُباركًا لهما ازدواجٌ	بودٍّ لا يُداخلهُ نفورُ
فباطنه كظاهره صلاحٌ	وآخره كاوّله سرورُ

۱؎ گویا کہ لوگ دولہا کے گرد ستارے ہیں اور اُن کے بیچ میں چاند روشن ہے ۱۲

۲؎ میں وہاں یاروں میں شامل ہونے کی آرزو رکھتا ہوں۔ دلی شوق سے نہ جھوٹ موٹ ۱۲

۳؎ پھر اگر میری یہ آرزو پوری نہ ہوئی تو بڑی دولت میرے ہاتھ سے جاتی رہی ۱۲

۴؎ میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے اُن لوگوں کے دولہا سے محبت ہے جن کی اور جن کے دولہا کی بہت بڑی شان ہے ۱۲

۵؎ دولہا کے باپ اور دادا اوپر تک یا سردار تھے یا دولتمند یا حاکم ۱۲

۶؎ دولہا کی ذات میں بھی کرم عمیم ہے۔ جیسے کہ اُس کے نام میں مشہور کرم ہے ۱۲

۷؎ خدا کرے جب تک کہ دنیا قائم ہے۔ میاں اور بی بی دونوں کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں ۱۲

۸؎ اور دونوں کو یہ عقد خالص محبت کے ساتھ مبارک ہو ۱۲

۹؎ اس عقد کا باطن مثل ظاہر کے بھلائی ہو اور اس کا آخر اول کی طرح خوشی ہو ۱۲

ذیل کی ابیات دہلی کے احباب کو لاہور سے اُسوقت لکھکر بھیجی گئی تھیں جبکہ راقم دلّی سے بدلکر لاہور کے سررشتۂ ترجمہ میں چلا گیا تھا اور دوستوں کی جدائی میں مغموم تھا

١ هَلْ مَنْ يُبَلِّغُ عَنْ مَحْصُورِ لَاهُورِ عَنْ مُبْتَلًى فِيهِ بَعْدَ الْكَوْرِ بِالْحَوْرِ

٢ إِلَى دِيَارٍ بِهَا سَلْمَى وَأَهْلُهَا أَنْ لَمْ يَكُنْ فِي زَمَانِ الْبَيْنِ مِنْ خَيْرِ

٣ هَلْ فِيكُمْ مَنْ يُوَاسِي حَائِرًا أَسِفًا بِمَا مَضَى مِنْ ذِي وَامِ الْقُرْبِ وَالزَّوْرِ

٤ وَلَمْ يَزَلْ حَدَثَانُ الدَّهْرِ يُزْعِجُنِي يَوْمًا بِنَجْدٍ وَيَوْمًا كُنْتُ فِي غَوْرِ

٥ لٰكِنَّنِي رَاسِخٌ فِي حُبِّكُمْ قَدَمِي فَلَنْ أُحَوَّلَ عَنْ طَوْرٍ إِلَى طَوْرِ

٦ إِنِّي أُحِبُّ وَأَهْوَى أَنْ أُلَاقِيَكُمْ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ نَحْوَكُمْ مَسْعَايَ أَوْ سَيْرِي

٧ إِنِّي أَرَانِي وَقَدْ أُنْضِيتُ مِنْ نَصَبٍ بِحَيْثُ لَمْ أَبْقَ أَنْ أَمْتَازَ عَنْ غَيْرِي

٨ وَإِذْ رَأَيْتُ قَضَاءَ اللهِ مُحْتَكِمًا رَأَيْتُ نَفْعِي طَوَى فِيمَا يُرَى ضَيْرِي

---

١ کون ہے جو پیغام پہنچائے لاہور میں گھرے ہوئے کی طرف سے جو کہ وہاں آکر آسائش کے بعد تکلیف میں مبتلا ہو گیا ہو ١٢

٢ اُس دیار میں جہاں سلمیٰ اور اسکے اہالی موالی رہتے ہیں یہ پیغام کہ جدائی کے زمانہ میں بھلائی بالکل نہ تھی ١٢

٣ کوئی تم میں ایسا ہی کہ جو غمخواری کرے ایک حیرت زدہ کی جو گزشتہ صحبتوں اور ملاقاتوں پر افسوس کر رہا ہی ١٢

٤ ہمیشہ زمانہ کے انقلاب مجھے بے آرام کرتے رہے ہیں۔ کبھی بلند جگہ اور کبھی پستی میں میری گزرتی رہی ہی ١٢

٥ لیکن تمہاری محبت میں میرا قدم جما ہوا ہی۔ سو میں ایک حالت سے دوسری حالت بدلنے والا نہیں ہوں ١٢

٦ میری خواہش اور میری آرزو یہ ہی کہ تم سے ملوں اگرچہ تمہاری طرف دوڑنا اور چلنا میرے اختیار میں نہیں ہی ١٢

٧ میں جبکہ غم سے تحلیل ہو گیا ہوں اپنے تئیں ایسا پاتا ہوں کہ اپنے میں اور دوسرے میں تمیز نہیں کر سکتا ١٢

٨ مگر جب میں نے حکم الٰہی کو سراسر حکمت سمجھا تو مجھے یقین ہو گیا کہ میرے ضرر میں میرا نفع مضمر ہے ١٢

ارجو من الله بعد العسر میسرة — اما علی مهلة ما او علی فور

ذیل کی نظم کارڈی[۱] صاحب کی شان میں اُس وقت لکھی گئی تھی جبکہ وہ لاہور میں قائم مقام ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم تھے اور راقم سررشتہ ترجمہ میں کام کرتا تھا۔ اور صاحب ممدوح سے ایک معاملہ میں سفارش کا خواستگار تھا۔

۲ه لنا اسبابئین عند خصاصة — تکون بنا ان نلتجی بالقصائد
۳ه فنثنی علی من کان یکفی امورنا — ولا سیما من کان اشعرنا قد
۴ه وانت الذی یحوی الفضائل جمة — کما یحتوی الدأماء جم الفوائد
۵ه فتشناك تفتیش اللحاة عن العدی — فلم نر شیئا فیك غیر المحامد
۶ه لقد قلما ولیت امر جماعة — فمیزت منهم واحدا بعد واحد
۷ه ومن ذا الذی یغتر انك ذرب لسانه — فانك لا تشری بضاعة کاسد

۱ه اب میں خدا سے سختی کے بعد آسانی کی امید رکھتا ہوں خواہ کسیقدر دیر کے بعد اور خواہ جلدی ۱۲

۲ه ہم ایسا ہیں اسلئے جب ہمیں کوئی حاجت پیش آتی ہے تو مدحیہ قصائد کی پناہ لیا کرتے ہیں ۱۲

۳ه پس اس شخص کی تعریف کرتے ہیں جو ہماری کاربرآری کرے خصوصًا ایسا شخص جو شاعر اور نقادِ سخن بھی ہو ۱۲

۴ه اور تو وہ شخص ہے کہ تجھ میں بہت سے فضائل جمع ہیں جیسے کہ دریا میں بہت سے فوائد جمع ہوتے ہیں ۱۲

۵ه ہم نے تیری اس طرح چھان بین کی جیسے نکتہ چیں اعدا کی کرتے ہیں مگر ہم نے تجھ میں کوئی شئے خوبیوں کے سوا ۱۲

۶ه تھوڑے ہی دن ہوئے کہ تو ایک محکمہ کا افسر بنایا گیا ہے سو تو نے اُسمیں ایک ایک کو اچھی طرح پرکھ لیا ۱۲

۷ه وہ کون شخص ہے جسکی چرب زبانی تجھکو دھوکا دے سکے کیونکہ تیری پسند نکمّے کو نہیں قبول کر سکتی ۱۲

۱ـــ یہ وہی کارتھری صاحب ہیں جو آخر کو ریزیڈنٹ مقرر ہو کر حیدرآباد گئے اور کئی سال وہاں ریزیڈنٹ رہے ۱۲

ولم ینسك الغیّابَ عنك مغیبهم (۱) — فعندك لا یحقى الغداتبین کشاهد
اتیتَ ببدعٍ لم یجد قبل واحدٌ (۲) — الیه سبیلاً من ذکیٍّ وخامد
کشفت غطاء عن خبیّات هومرٍ (۳) — کما یکشف الصبح الدجی عن مراقد
وهل بعد هذا الفضل للمرءِ حاجةٌ (۴) — الی غیره من بیّنات الشواهد
مدحتك حقّاً غیر مُطرٍ مبالغٍ (۵) — وشانك عندی فوق تلك المحامد

مبارکبادِ شادی کتخدائی جناب مرزا ثریا جاہ صاحب گورگانی خلف اوسط جناب مرزا ہدایت افزا المعروف بہ مرزا الٰہی بخش مرحوم جو میرے عزیز دوست مولوی مرزا اشرف بیگ مرحوم کی فرمائش سے لکھی گئی تھی

اَبیتَ اللّعنَ نخبةَ آلِ قومٍ (۶) — الیهم ینتهی کلُّ المعالی

۱؎ تجھکو غائبین کا نظر سے اوجھل ہونا بھلا نہیں سکتا۔ تیرے نزدیک غائب اور حاضر میں کچھ فرق نہیں ۱۲

۲؎ تو نے ایک ایسا نادر کام کیا ہی کہ تجھ سے پہلے کسی ذکی یا غبی کو اس کا رستہ نہیں ملا ۱۲

۳؎ تو نے ہومر کی نظم کی مشکلات کا پردہ اس طرح اٹھا دیا ہی جیسے صبح خوابگاہوں سے اندھیرا زائل کر دیتی ہی ۱۲

۴؎ کیا اس فضیلت کے بعد آدمی کو کسی اور روشن تر شہادت کی حاجت باقی رہتی ہی؟ ۱۲

۵؎ میں نے تمہاری تعریف سچ سچ بغیر مبالغہ کے کی ہی۔ مگر میرے نزدیک تمہاری شان اس تعریف سے بالاتر ہی ۱۲

۶؎ تو لعنت سے محفوظ رہیو۔ اے ان لوگوں کی اولاد کے انتخاب جن کی طرف تمام بڑائیاں منتہی ہوتی ہیں ۱۲

۱؎ کارڈسی صاحب نے یونان کے مشہور شاعر ہومر کی کتاب نظم یعنی الیڈ کا ترجمہ یونانی سے انگریزی نظم میں کر کے انگلستان میں بڑی شہرت حاصل کی ہی۔ یہ اسی ترجمہ کی طرف اشارہ ہی ۱۲ حالی ۲؎ عرب زمانۂ جاہلیت میں سلاطین و ملوک سے خطاب کرتے وقت یہ جملہ بطور تحیت و دعا کے بولا کرتے تھے۔ اس کے لفظی معنی یہ ہیں کہ تو لعنت و بد دعا سے ہمیشہ بچا رہیو ۱۲

۵۱ لهم بين الورى ذكرٌ رفيعٌ ۔ وشانٌ في ملوك الدهر عالٍ
۵۲ وانك انت يا من طاب نفساً ۔ لهم خير الجدود لخير آلِ
۵۳ خطبت كريمةً من طيبات ۔ اولات الفضل خيّرة الفعالِ
۵۴ فما للمنتدى خير النوادي ۔ به حُقّت موالات الموالي
۵۵ ويا للعرس من فحلٍ كريم ۔ اثيل المجد محمود الخصالِ
۵۶ يجود بما يُضَنُّ ولا يباهي ۔ ويفعل ما يشاء ولا يبالي
۵۷ يجيب السائلين بغير مكثٍ ۔ ويعطي العائلين بلا سؤالِ
۵۸ وان يك اصغر الاقران سنّاً ۔ فاكبرهم بلوغاً في الكمالِ
۵۹ فبورك فيه ما دام الثريا ۔ وما انسلخ النهار من الليالي

۵۱ جن کا نام دنیا میں بلند ہے اور جن کی شان شاہان عالم میں عالی ہے ۱۲

۵۲ اور تو اے پاک نفس! اُن اچھے آبا و اجداد کی اچھی اولاد ہے ۱۲

۵۳ تو نے ستھرائی اور بڑائی والیوں اور پسندیدہ خصال مستورات میں سے ایک عالی خاندان لڑکی سے شادی کی

۵۴ پس وہ کیسی شاندار محفل ہوگی۔ جہاں دوستوں میں محبت متحقق ہوتی ہے ۱۲

۵۵ اور کیسا شاندار دولہا ہے۔ جوانمرد سخی۔ خاندانی بزرگی والا اور پسندیدہ خصلت والا ۱۲

۵۶ وہ دیتا ہے جو چیز نہیں دی جاتی اور فخر نہیں کرتا۔ اور کر بیٹھتا ہے جو چاہتا ہے اور کچھ پروا نہیں کرتا ۱۲

۵۷ مانگنے والوں کی بلا توقف سنتا ہے اور محتاجوں کو بغیر مانگے دیتا ہے ۱۲

۵۸ اگرچہ عمر میں ہمچشموں سے چھوٹا ہے۔ مگر کاملیت کی حد کو پہنچنے میں سب سے بڑا ہے ۱۲

۵۹ پس برکت دیا جائیو جب تک کہ آسمان پر ثریا ہے اور جبتک کہ راتوں سے دن برآمد ہوتے رہیں ۱۲

قصیدہ بائیہ

در شان حضرت شاہ عبد الغنی قدس سرہ کہ ہنگام اقامت آنجناب بہ مدینہ منورہ از ہند بخدمت بابرکت ایشان فرستادہ شدہ بود و از آنجا اطلاع رسیدن آں ابیات حضرت ایشاں بدستخط خاص در عبارت مندرجہ ذیل دادہ بودند

بسم الله الرحمن الرحيم – من عبد الغني ابن ابي سعيد الى الفاضل النبيل والاديب الجليل المولوي الطاف حسين – السلام عليكم ورحمة الله وبركاته – وصل مكتوبكم الشريف مع القصيدة الى العبد الضعيف مع فصاحته وبلاغته لا يخلو عن الشيئين من جملة المحمود سه لا عيب فيهم غيران سيوفهم ٭ فيها فلول من قراع الكتائب ٭ واستحسنها بعض أدباء المدينة المنورة لما فيه من البراعة والفصاحة الله يتجاوز من زللي وينفعكم با على منايا ومآرب بجاه صاحب الشفاعة الكبرى سيدنا محمد واله واصحابه فلك السعادة ونجوم الهداية بلا ريب وخلل – والسلام ٭

هَوَى الحُورِ يَلْوِي كُلَّ حِبْرٍ وَنَادِبٍ ٭ وفتنة قِسّيسٍ وزَلّةُ رَاهِبِ

وهزمٌ لمنصورٍ وفتحٌ لخاذلٍ ٭ وعزٌّ لمغلوبٍ وذلٌّ لغالبِ

وما من نساء الحيّ للعزّ مَخْلَصٌ ٭ بليلى قد استأسرن أهلَ التجاربِ

وليس بداءٍ كاد يُشفى سقيمه ٭ صبابةُ قلبي بالعذارى الكواعبِ

قد اختطفت لُبّي دروعي مليحةٌ ٭ بلطفِ مدارٍ لا بعبسِ مُعاتبِ

معطلة الآراء من غير رُقيةٍ ٭ مُقتِّلةُ الأحشاء لا بالمضاربِ

وصاحبة العشاق لا في مكارةٍ ٭ وكاذبة الميثاق لا بالمُراقبِ

ففي نظرةٍ منها وغمزٍ ولمحةٍ ٭ بلاءٌ لذي وَرَعٍ الى الله تائبِ

وكم من حياءٍ دونها وتصعّبٍ ٭ وحصنٍ من التقوى وخوفِ العواقبِ

عَجِبنا لها قد خرّ موسى صَعِقًا ٭ ولكن رأينا عند كشف الجلائبِ

ذهبنا لنلهيها بنا عن مشاغلٍ — فجاءت والهتني عن الاشتغال بي
اشدّ بلاءً وصلها من فراقها — اذا كان عند الوصل خوف المراقب
أُراقب وقت الوصل من غير موعدٍ — اصدّق في اقدامها قول كاذب
اليلاى ما اغناك عن شان مولعٍ — له انت في دنياه قصوى المآرب
تناسيت في ذكراك علماً وحكمةً — لا نضيتُ ايّاماً اليها ركائبي
ذهبت بصبري يوم اقدمت في الحمى — نزلت وما انزلتِ حمل المراكب
شغلتِ بلحظٍ قلبنا عن مشاغلٍ — صرفت برمزٍ قصدنا عن رغائب
يُغشّي على ابصارنا منكِ جلوةٌ — كانك في الاستار من غير حاجب
عتابك حلوٌ في المذاق فعاتبي — وضربك حتى للرقاب فضاربي
ودونك قلب العاذلين بنظرةٍ — لكِ الدّين عند العاشقين فطالبي
احبّة لا تُشكوا[له] احزيناً فربّما — تُهيّج للاصحاب رنّةُ صاحب
ذروني وقلبي بالرزايا فانّه — مصائب اُخرى ذكر تلك المصائب
لقد قلّ عوني في اخٍ كثيرةٍ — كانّي غريبٌ بين خلٍّ وقارب
ولي من موالٍ انّما انا بينهم — بمنزلة الكرار بين النواصب
وفيما الى سلمى وصولي فانني — ضللتُ سبيلي في ضياء الكواكب
لا صبح يوم البين كالليل مظلماً — كان صباحي قطعةٌ من غياهب
كما اظلم الدهلي بتغريب كوكبٍ — مضيءٍ على عربٍ عن الهند عازب
عروفٍ غزير العلم هادٍ ومرشدٍ — جليل المساعي مستفيض المناقب
صبورٍ على البلوى شكورٍ على اللّهى — نفورٍ من الدنيا الى الحقّ راغب

له لا تشکوا من الاشکاء بشکوہ آوردن ۱۲

من ادکمالٍ سفتدی کل کاملٍ　　محطّ رحالٍ منتہی کل طالب
اذا ما قضی عدلٍ صدق اذ اروی　　مصیبٌ اذا افتی اذا قال صائب
وحید الوریٰ عبد الغنی الذی له　　اوائل مرأةٌ لکشف العواقب
یقوم غبیٌّ جالس الشیخ ساعةً　　بقلبٍ ذکیٍّ مطمئنٍّ مراقب
وترجع رجعًا فهقریٰ دون بابه　　ضلالة ضلیلٍ وخیبةُ خائب
لیعلم علم الناس بالشمس فی الضحی　　باسرارِ موجودٍ واحوال غائب
بدایتُهٗ اقصی نهایات منتهٍ　　نهایتهٗ قصوی عنایاتِ واهب
مهابتُهٗ فی نفس الفٍ ووامقٍ　　ارادته فی قلب عادٍ وجانب
هو السابق الغایات من صاعدی العلی　　الی رجلهم لا ینتهی سیر راکب
کراماتهم مشهورةٌ فی مشارقٍ　　مقاماتهم مذکورةٌ فی مغارب
لاوضح برهانٍ علی اختصاصهم　　بموهبة الرحمٰن خیر المواهب
صیانتهم من کل طاغٍ وعاندٍ　　اذا غلبوا فی الهند کل اغالب
وممن یصدون السبیل امامهم　　وکم خلفهم اذ هاجروا من معاقب
فلما احیطوا انما کان حولهم　　نصال العوالی او ذباب القواضب
ولما اتی نصر من الله بغتةً　　لقد سابقوهم مجزی کل ناهب
تأثره شرعٌ عنبیًا وقاطنًا　　فیا عجبا من رائجات الجلائب
ولم یروِ حتی اجتاز ابار قومه　　فقد ورد الینبوع[۵] اصل المشارب

---

۵ اشارة الی ما نقل عن بعض الثقات ان الشیخ الممدوح رای لیلةً سید الطائفة خواجہ بہاء الدین النقشبند فی المنام فبایعه بلا واسطةٍ بعد ما بایع شیوخ عصره مع اقرانه والله اعلم ۱۲ حالی

مدحنا بما اختص الورى من مراتب ۔۔۔ وفی الشیخ شأن فوق تلك المراتب

سینفد دون الابتداء بوصفه ۔۔۔ اقاویل وصاف واوصاف کاتب

مبارکباد خطاب شمس العلماء بہ جناب مولانا شبلی نعمانی کہ در علیگڈھ نوشتہ شد

یا وحیداً من الکرام فریداً ۔۔۔ وعزیزاً لمثلی علق نفیس

انت اولی بان تلقب شمساً ۔۔۔ بل بان یجعلوك شمس الشموس

انت شمس الهدی ولست بشمس ۔۔۔ یعتریها الخنوس بعد الخنوس

انت طهرت ذیل دین مبین ۔۔۔ لوثته اللئام بالتدلیس

ثم دافعت عن امام نقی ۔۔۔ کان بعد النبی خیر رئیس

وعن الحق قد کشفت غطاء ۔۔۔ بعدما اغلقوه بالتلبیس

سرت فی الارض انت براً وبحراً ۔۔۔ للمعالی ولا لامر خسیس

قلدوك التزام مدرس قوم ۔۔۔ فیه یرجی لهم کمال النفوس

فتقلدت والتزمت لزوماً ۔۔۔ خدمة المسلمین بالتدریس

قمت بالدرس والدراسة فیهم ۔۔۔ فارغاً عن ریاسة ورئیس

وجعلت الکمال غایة همم ۔۔۔ واتخذت الکتاب خیر جلیس

فعلی القوم لازماً لك حقٌّ ۔۔۔ کلهم من وجوههم ورؤس

صانك الله عن مکارہ حتی ۔۔۔ صرت کالقلب منّا فی الخمیس

نثر عربی

ضراعت نامہ موسومہ اعلیٰ حضرت مولانا و مقتدانا شاہ عبد الغنی قدس سرہ کہ با قصیدہ بائیہ در مدینہ منورہ ارسال داشتہ بود

هذه نبذ کلمات عديدة وعدة ابيات غير سديدة يتوسل بها العبد الذليل الصفر اليدين الملتزم بالشر و الشين المتشبث باطاف خسين كان الله له ولوالديه فى النشأتين الى المولى الجليل و الشيخ النبيل مالك أزمّة الاستكمال و التكميل الهادى الى سواء السبيل قدوة السالكين زبدة العارفين رأس الفقهاء والمحدثين قطب الملة والارشاد قبلة الابدال والاوتاد صدر الشريعة الغراء عماد الملة البيضاء و مظهر الانابة والاجتباء اوجه العلماء الاعلام مجاور حرم خير الانام وارث علم النبى مولانا و مرشدنا شاه عبد الغنى المجددى النقشبندى الهندى المدينى لا زال ظل فيضه ممدوداً و قرع بابه مقصوداً سمعت يا مولانا ان اعرابياً جاء الى هارون الرشيد بماء كدر ملح اجاج كان يظن الماء احلى من شريب النبات واصفى من ماء الفرات تقرب به الى الخليفة وجعل هدية له فدخل المجلس و عرضه عليه فاذا هو ماء منتن الريح مر الطعم كدر اللون فتفرس هارون واطلع على داخلة امره و علم ان الماء وان يك ملحاً فى نفسه ولكنه حلو فى مذاق الاعرابى فمنع القوم عن هتك سره و افشاء امره لكى لا ياخذه الندم فيرجع خائباً اسفاً وامر بعطية جليلة له واخرجه على الحال من بغداد مخافة ان

یقیم بها او یشرب من ماء دجلة فیجد حلاوةً فی ذوقه ولطافةً فی طعمه فیستحیی استحیاء النادم ویوض ببنان السادم فکذلک ارجوانا ایضا یا شیخ یا مولائی ان ننظر الی ما ارسلت الیکم من کلام هجین وقول غیر متین نظرةً بالقبول فاذن یعود ما فیه من الخطاء صوابا و من النقص تماما فانت من رجال اذا مروا باللغو مروا کراما وان تدعو لی بدعوة تکشف عنی الغمة وتذکی بصرف الهمة وبذل الهمة مستعینا بجناب سید المرسلین و متمسکا بذیل رحمة العلمین فداه امی وابی صلوة الله وسلام وآله واصحابه اجمعین فاننی قد ملکت نفسی الاهواء واحاط بشراشر قلبی بلاء الاخلاق من الشداد ولا سبیل الی الرشاد قد اخترت علی الاجل عاجلا والعجب ان العاجل ایضا کالاجل مفقود رضیت من الجلیل بحقیر والحقیر ایضا لیس بموجود فیا اسفی قد وقعت سهامی کلها عن هدف المقصود وبقیت صفر الکف فی الدنیا والاخرة ؞

کیف الوصول الی معاد ودونها ... قلل الجبال ودونهن حتوف

والرجل مافیةٌ وما لی مرکبٌ ... والکف صفرٌ والطریق مخوف

فها انت یا شیخ یا ایها العزیز مسنا واهلنا الضر وجئنا ببضاعة مزجاة فاوف لنا الکیل وتصدق علینا ان الله یجزی المتصدقین وسلام علی عباده الذین اصطفی من مجاوری حرم المصطفی صلی الله علیه وآله وسلم

دوسرا خط جناب ممدوح کے نام جس میں پہلے خط اور قصیدے کی رسید کا شکریہ ادا کیا گیا ہے

الحمد لله رب العلمین والصلوة والسلام علی سیدنا ونبینا محمد واله وصحبه اجمعین وبعد فیا ایها الشیخ یا مولائی سلام علیکم ازکی سلام ثم سلام علیکم الف الف سلام

قد بلغني منكم ما كنت ارجوا من بشارة القبول واجابته المامول فشكرا لكم بعد شكر على ما ادركتموني وتداركتم بالي من محاسبة الساعات ومراقبة الاوقات تالله لقد قربت من الامال بما لا يرجي ونلت بموهبة منكم عظمى ومن مثلكم شيءٌ يسيرٌ كم فيه من خير كثير فانكم اليوم منتهى قصدي وقصارى املي لكل قريب وبعيد وشقي وسعيد وانتم بارض ترابها شفاء الاسقام ومقام كريم لا يحله الا الكرام وانا العبد الذليل الملتزم بالشرع الشين المدعو بالطاف الحسين تجاوز الله عما جنت يدي وغفر الله لي ولوالدي وسلام على عباده الذين اصطفى من مجاوري حرم المصطفى صلى الله عليه وآله وسلم ؛

مکتوب بنام مرزا اشرف بیگ مرحوم دہلوی از لاہور

سلامٌ عليكم سلام غريب بعيد الدار مهجور الاوطان والاوكار طويل الليل عبوس النهار قد حل ارضًا لا انيس بها ولا صاحب وضاقت عليه بما رحبت فاعيت به المذاهب لا يتمكن من عزمه فيبصر قصده ولا يقدر على نفسه فيرى رُشدَه قد تركتموه غرضًا لسهام الالام ودريّة لطعان الاحزان والاسقام وحيدًا طريدًا بائنًا بعيدًا حزينًا كئيبًا قلقًا مكروبًا ولكنه مع ما به من الهم والشجى والحزن والاسى وكآبة الفراق وحزازة المشتاق ولوعة قلبه ولعوة حبّه وشتيت باله وجزعه وبلباله لا يكاد يشغله عنكم شاغل ولا يحول بينه وبينكم حائل ؛ وقد القى ذكركم بين عينيه ليأنس به ويسكن اليه وكلما يبلغه كتابٌ او تهبُّ ريح خطاب من عند احدٍ من الاحباب يُهيّج له شوقًا الى شوق ويجشّمه من الهوى ما لا يسعه الطوق فالحمد لله حمد الصابرين الراضين بقضائه كلما قضى للراجين رحمته

عند کل کربۃ و بوسی علی ما قد قیل ؎

ادی الصبر محمودًا وعنه مذاهبُ　　فکیف اذا ما لم یکن عنه مذهبُ

هو المهربُ المنجی لمن احدقت به　　نوائب دهرٍ لیس منهن مهربُ

فالمرجو منکم یا معاشر الخلاق وخلص الاخوان ان لا تنسوا ما انعم الله علیکم من قریرۃ اعینکم وسکینۃ قلوبکم فی محادثاۃ الاحباب سرًّا وجهارًا ومفاکهۃ الاتراب لیلاً ونهارًا وان تجعلوا شکر تلک النعمۃ ذکرنا ومواساتنا وتدارک ما فاتنا من اخضر عیشنا واطیب حیاتنا فلا یشغلکم شانٌ عن شاننا ولا یبعدکم بُعد مکاننا و من مثلکم نظرۃٌ الینا ولو کانت بعد زمانٍ یروی غلیل القلب اللهبان واما ما بلغنی الیوم بعد دهرٍ طویلٍ من کتابکم الجزیل واجرکم الجلیل فقد سرّنی اشد سرورٍ وصنع بی ما یصنع لقاء المهجور بالمهجور وستجدون جوابه ان شاء الله ردیف هذا الکتاب مندرجًا فی کتابکم المطاب واما ما سألتم عن بعض اعمال المدارس فقد سألتم عن ظلٍّ زائلٍ ورسم دارس والسلام علیکم و علی من یحبنا ونحبه ممن لدیکم ومن حوالیکم*

کتابۃ اخریٰ

سلام علیکم اعلی سلامٍ من قبل الغریب المستهام وبعد فهذا جواب ما بلغنی من کتابکم المتین وخطابکم الرزین فی لسانٍ عربیٍّ مبین فوقع عندی موقعاً حسناً وسررت به اشد سرور ولکنه قد وقع فی استجوابه نحوٌ من التمکث الغیر المعتاد[1]

[1] اس خط کا آخری حصہ تلف ہوگیا۔ اسلئے ناتمام حالت ہی میں چھپوا دیا گیا ہے ۱۲ حالی

فوالذی نفسی بیدہ ما منعنی منه الا انه کان الزمان زمان الفتنة والبلاء والمرض والوباء قد انزوت العافیة فی الزوایا واحدقت بالبلد انواع البلایا وکان الناس بین صرعی وقتلی فمنهم من لسعته الحمّی ولدغه الصداع ومنهم من قتلته الهیضة بذات الشفرتین من سیف الاسهال والهُواع وکان الجدری العام مؤیدًا علی ذلك ابتُلیت به صغارهم وکبارهم وذکورهم واناثهم فهلك من هلك ونجا من نجا۔ واما الباقون وانا منهم وقلیل ما هم فکانوا بین الخائفین والراجین الذین یاتیهم الموت من کل مکان وما هم بمیتین ولم یزل کان الامر کذلك حتّی صار الموت والحیوة کفرسی رهان یسبق هذه تارةً وتلك اُخریٰ +

کتابة اخری ارسلت بعد معاودة من حیدرآباد الی الوطن الی جناب النواب عماد الملك الشهیر بمولوی سید حسین البلگرامی احد ارکان الدولة العالیة

اقمتُ معتصمًا شهرًا وایامًا | بحبل رافتکم فی حیدرآباده
فهذا دعاءٌ وتذکارٌ لنعمتکم | وشکرٌ لاحسانکم یا سیّد السادہ
ولست بناسٍ طول عمری صنیعکم | کذا اجرت باذکار النعمه العادہ

وبعد فقد وصلت یا سیّدی فی ۳ نومبر یوم الثلثاء بنعمة الله وحسن توفیقه من بمبئی الی دلی سالمًا وغانمًا وکنت فی بمبئی نزیلًا فی منزل صاحبکم الجلیل المبجّل الممتاز عن الاقران فی المعمورة بالسیَر العادلة والاخلاق المرضیّة السید غلام حسین

المتنزہ عن کل شین الذی فی زورتہ سکینۃ للقلب وقریرۃ للعین ستین ساعۃ فعاملنی ہذا الفتی معاملۃ لاتکاد تقع بین الاجانب بل عاشرنی معاشرۃ الاصحاب بالاصحاب ورافقنی مرافقۃ الخلان بالخلان وارانی من خصائص المعمورۃ وعجائبھا ومراسیھا ومراکبھا فوق ما کنت ارجو ان اریٰھا وله غیر ذلک من الصنائع التی صنع بنا مالا یوصف باللسان ولا یفیہ اللفظ والبیان فیا لیت شعری کیف اشکرکم ایاکم علی ما ھدیتمونی منزل الرجل النبیل ودللتمونی علی سواء السبیل الی خوان الخلیل ام احمد الرجل علی ما اکرمنی واحسن مثوی واعاننی علی ما کنت بصددہ من اطلاع احوال المعمورۃ وبالغ فی حسن الاضافۃ والقری ولم یأذن لی بالرحلۃ من بمبئی الا کرھا فواللہ لئن کان الاسمعیلیون کلھم متخلقین باخلاق اخیھم ھذا جزمت بان الناجیۃ من الفرق الاسلامیۃ ھی الفرقۃ الاسمعیلیۃ لاغیر۔ ثم ان الرجل کان یقول مشتکیاً عن جنابکم الرفیع انکم لم تکتبوا کتاباً منذ زمانٍ طویل ولم تطلعونہ علی احوالکم ولم تسألوا عنہ وعن احوالہ وامرنی ان اخبرکم بذلک واسالکم ان تدارکوا ما فاتکم وما علی الا البلاغ ۰

کتابۃ اخری الی مدیر الجریدۃ العربیۃ المسماۃ بالنحلۃ الادبیۃ فی لندن

قد اسلۃ القس الجلیل قد وصلنی من اول تموز الی اخر تشرین الثانی ثلثۃ اعداد من جریدتکم الفریدۃ المسماۃ بالنحلۃ الادبیۃ التی تلوح آثار قبول العالمین من غرتھا البیضاء فتمتعت بما فیھا من سوانح الاخبار وبدائع الافکار وفوائد اخری یعجز عن حصرھا

لسان الاظهار فبعد ما انشکر غایة التشکر علی یا احسنتم الی مثل هذا المسکین
بارسال الجریدة اقول انی مع بالی من شدة الولع و غایة الحرص علی مطالعة
النحلة لا استطیع ان اشترك فیها وان مثلی فی الباب کمثل ظمآن علی راس بئر
ماله دلوٌ ولا سببٌ یتوصل به الی الماء ولا قلبٌ یصبر علی العطش ولکنی
اتعهد ان شاء الله بالسعی المقدور فی نشر نفحات النحلة و برکاتها بین ابناء الوطن
ومن الاخوان والخلان وغیرهم من رؤساء ادارات التعلیم الذین یعرفوننی
ولو بادنی معرفة واما اغنیاء هذه الصفحات من الملوك والامراء والاکابر
فلیسوا فی شئ من ذوق العلوم ومطالعة الجرنالات وتفحص الاخبار وذلك السعی
الذی تعهدت به لا یکون منی علی شرط عوض من جنابکم بل یکون لمحض
اشاعة الخیر والبرکة بین الناس ولما یقتضیه الاخوة الانسانیة من التعاون
والتعاضد هذا وان کنتم تمنون بعد ذلك بارسال الجریدة فلا یسعنی الا تیان
بغیر التشکر علی هذا الامتنان باللسان والجنان الا انه فی عزم هذا النحیف علی
تقدیر وصول النحلة فیما بعد ان ابلّغ فی کل شهرین او اکثر مرة واحدة بعض الحوادث
المهمة الواقعة بهذه الاقطار الی حضرتکم مثل هذه العربیة المستهجنة التی لا تکاد
تقع عند اهل اللسان موقعًا حسنًا او باحدی اللغتین من الفارسیة والهندیة
ان لم یکن علی خلاف شرط النحلة ثم لی فی خصوص امر الجریدة کلام آخر لا بد ان
ابوح به فی حضرتکم وهو ان ترجمتها بالانکلیزیة ان کانت مطابقة بکل لفظ لفظ
من العربیة بحیث لا یبقی لغة من اللغات المؤلدة او المعربة مجهولة غیر مفسرة
لکان اقرب الی فهم اهل الهند واوقع فی قلوبهم فان اللغات المتداولة بین ایدیهم

من الصراح والقاموس وغيرهما ليست بكافلة لجميع ما فى العربية الحالية من الالفاظ القديمة والحديثة وطىّ هذه الصحيفة رقيمة اخرى بالانكليزية ارجو ان يكون النظر فيها منتجاً لبعض النتائج الحسنه والسلام خير ختام

صورة ما قرظت على المنظومات الضيائية التى اكثرها بالعربية ومنها بالفارسية والهندية

الحمد لله الذى حبّب الىّ كلام الخطباء والشعراء فى قلبى حلاوة النظم وذوق الانشاء فلا ارغب الا فيه ومن يرغب عنه الا السفيه فسبحان من انعم علىّ بالنعم التى لا تحصى ثم اختصنى منها بتلك الموهبة الكبرى ومن ههنا فليعلم انى لا استحيى السكوت عن مدح ما يقع عندى موقعاً حسناً من نظم بهىّ او نثر شهىّ او بيان رائق او كلام فائق واما ان اتكلّف فى مدح او اعتسف فى قدح او ابالغ فى الازراء او اجنح الى الاطراء فلا يتاتى منى ابداً ولا افعله سهواً ولا عمداً ولذلك ارجو من الله المستعان ان اكون فيما اصف مشهوداً لى بالصدق والصواب حتى لا يرونى الا الناطق بالحق من غير شك ولا ارتياب

وبعد فلما وصلت من دلّى الى لاهور مستعيناً بالله من الحور بعد الكور وقد كنت اذا لا اعرف احداً ولا يعرفنى احد من اهل ذلك البلد اوصلنى قائد التوفيق الى خير منزل لخير منزل من السادة الكرام والشيوخ العظام صدر المحاضر والنوادى سيدى ومستندى خواجه ضياء الدين الجهان آبادى

يعنى سيد خواجه ضياء الدين مرحوم دہلوی کی نظمیں تینوں زبانوں میں ۱۲ حالی

لا زال مصونًا عن كل داهية وفاقرة وما فاته حسنةٌ من حسنات الدنيا والآخرة فكنت نزيلًا عنده الى ثلثة اشهر او اكثر فكان ما دمتُ في بيته يعمل لي كل صنيعة ويصنع الى كل معروف ويؤثرني ويؤاسيني ويكرمني ويداريني وله عندي غير ذلك من الصنائع ما لا يسعه البيان ومن الايادي ما لا يوصف باللسان وهذا الذي ذكرت من حسن الاضافة والقِرٰى فليس في عداد من فضائله التي لا تحصى منها ان له يدًا في النظم طولٰى وقسطًا من النثر اوفى في ألسنةٍ مختلفة ولغاتٍ شتّٰى فتارةً يسجع سجع الخطباء من العرب العرباء واُخرٰى يُنشِد نشيدَ الفرس من مُفلِقي الشعراء ونَحَرَة البُلَغاء واما الاردو فمثله كمثل دابّةٍ هو آخِذٌ بناصيتها تتصرف حيث شاء ومما يشهد لي بصدق ما ادّعيتُ له هو هذه الصحيفة المُنيفة التي فيها انموذج كلٍّ من تلك الألسُن الثلثة في بيانٍ رشيقٍ ولفظٍ انيقٍ لهذا المِصقَع الطليق والمِنطيق الذَّليق فيالها من وجيزٍ جامعٍ بين كلام العرب والعجم فيه النسيب وفيه الوعظ والحِكَم يُرغَبُ اليه لطلاوة لفظه ويُتَنَافَسُ فيه لحلاوة نظمه كانّها روضةٌ تعجب الانظار بنضرتها او جنّةٌ تشخص اليها الابصار لبهجتها او دوحةٌ مثمرةٌ او سحابةٌ ممطرةٌ او حديقةٌ دهماءُ او عشيقةٌ حسناءُ او عينٌ من ماءٍ معينٍ او منظر لحورٍ عينٍ وله سوى ذلك من المصنّفات ما فيه قرة اعينٍ لكل ناظر وغُنيةٌ لكل بادٍ وحاضرٍ فلا زال مُفيضًا على المستفيضين ومُنجِزًا للطالبين وآخر دعوٰنا ان الحمد لله رب العٰلمين ؏

خطبة يوم الجمعة

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي خلق الخلق فسوّاه واصطفى الانسان على الاكوان فاكرمه
واحسن مثواه ونصره وكفاه وامره ونهاه فمنهم من اناب اليه و
اعتصم به ولم يعبد الا اياه ومنهم من اقتفى اثر النفس واخلد اليها و
اتخذ الٰهه هواه والصلوة والسلام على النبي المنيب الاوّاه المتبتّل
الى الله عما سواه الذي وجده يتيما فاواه وعائلا فاغناه ومن كل
شيء اعطاه واجتباه وهداه وعلى من اتبع هديه وقفاه واعلى كلمة
الحق وحماه واتقى الله حق تقاته وسلك نفسه وهواه وبعد فيا ايها
الانسان ما غرك بربك الكريم وما حملك على التاثيم وما ولّاك عن النهج
القويم وما الهاك عن النعيم المقيم حيوتك الدنيا فانية وانت
ترجو انها باقية ومتاعها شيء يسير ولن تعلم انه فيه خير كثير
قد استهلكت في الشهوات ونسيت هادم اللذات وتناهيت في الملاهي
وما انتهيت عن المناهي كم امرت بمعروف فعصيت وكم دعيت الى الخير
فتوليت جمعت من الدرهم والدينار الافا واضعافا ورايت في نفقة
لوجه الله اسرافا واتلافا منتهى تصدك تجسس عيوب الاخوان وجل
صناعتك هتك استار الجيران ساءة ظنك بالخيار وحسن لديك مقام
الاشرار يتبع وعدك الاخلاف ويعقب صلحك الخلاف طال قيامك

فِي طَلَبِ الْمَالِ وَاَنْتَ تَارِكُهُ بَعْدَ حِيْنٍ وَلَا تَزَالُ تَعُوْدُ عَنِ الْاَعْمَالِ حَتّٰى اَتَاكَ
الْيَقِيْنُ فَوَيْلَكَ قَدْ طَلَبْتَ مَتْرُوْكًا وَتَرَكْتَ مَطْلُوْبًا وَاقْتَضَيْتَ حُوْبًا وَمَا
قَضَيْتَ مَكْتُوْبًا وَشَرَيْتَ بِالْحَقِيْرِ جَزِيْلًا وَبِالرَّخِيْصِ جَلِيْلًا وَحَمَلْتَ خَفِيْفًا
وَنَبَذْتَ ثَقِيْلًا وَاَخَذْتَ مِنَ الصَّفْوِ كَدَرًا وَاخْتَرْتَ عَلَى الْخَيْرِ شَرًّا وَ
اسْتَبْدَلْتَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ اَعْلٰى وَاشْتَغَلْتَ عَنِ الْاٰخِرَةِ بِالْاُوْلٰى
اللهَ اللهَ اِلَامَ تَمَهُّلُكَ فِي الْخَيْرَاتِ وَتَمَايُلُكَ عَنِ الْحَسَنَاتِ وَاِقْبَالُكَ عَلَى
الْمُهْلِكَاتِ وَمُسَابَقَتُكَ بِالسَّيِّئَاتِ طَلِّقِ الدُّنْيَا ثَلَاثًا وَفَارِقْ اَهْلَهَا وَ
اُتْرُكْ عَلٰى غَارِبِهَا حَبْلَهَا وَتُبْ اِلَى اللهِ قَبْلَ اَنْ تَمُوْتَ وَاَدْرِكِ الْفَرَاغَ قَبْلَ
اَنْ يَفُوْتَ وَاسْتَغْنِ بِوُجْدِكَ قَبْلَ عَدَمِكَ وَاغْتَنِمْ شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ
وَالْزَمْ بِالْعَمَلِ فَكَمْ مِّنْ عَمَلٍ يَسِيْرٍ خَيْرٌ مِّنْ عِلْمٍ غَزِيْرٍ وَوَاظِبْ عَلَى النَّدَامَةِ
فَنَدَمٌ مِّنْكَ سَاعَةً خَيْرٌ مِّنْ كَثِيْرِ طَاعَةٍ تَصَدَّقْ مِنْ غَيْرِ مَنٍّ وَّاَذًى وَ
اَنْفِقْ مِمَّا تُحِبُّ وَتَرْضٰى اِنْ جِئْتَ بِحَسَنَةٍ فَاسْتَقِمْ وَلَا تَغْتَرِرْ فَبِالْاِسْتِقَامَةِ
عِبْرَةٌ لِّعَمَلِ الْعَامِلِيْنَ وَاِنَّمَا الْاِغْتِرَارُ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاِنِ اقْتَرَفْتَ
سَيِّئَةً فَاعْتَرِفْ وَلَا تَيْأَسْ فَاِنَّ الْاِعْتِرَافَ يَهْدِمُ مَا يَقْتَرِفُوْنَ. وَلَا يَيْأَسُ
مِنْ رَّوْحِ اللهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ اِنْ بُلِيْتَ فَاصْطَبِرْ فَاِنَّ الصَّبْرَ آسِيْ بَلْوَاهُ
الْفَرَجِ وَدُجًى تُؤْذِنُ بِالْبَلَجِ وَثِقْلٌ يُخَفِّفُ الْاَثْقَالَ وَدَاءٌ يُذْهِبُ لِعُضَالٍ
وَاِنْ اُعْطِيْتَ فَتَشَكَّرْ فَاِنَّ الشُّكْرَ سَبَبٌ لِّمَزِيْدِ الْاِنْعَامِ وَبَعْثٌ لِّلْمُنْعِمِ عَلَى الْاِكْرَامِ
وَجَالِبٌ لِّلْاَرْزَاقِ وَذَاهِبٌ بِالْاِمْلَاقِ. وَاضْرِبْ فِي الْاَرْضِ بِطَلَبِ الْعِلْمِ
غَيْرَ بَاغٍ وَجَاهِدْ فَجَاهِدْ وَبَاعِدْ ثُمَّ بَاعِدْ وَاَجْمِلْ جُمَلَ لَكَ فِيْ اَخْذِهٖ

مِنْ كُلِّ قَارِبٍ وَبَاعِدٍ وَتَمَتَّعْ بِمَا فِيهِ مِنَ الْأَبَاعِدِ فَإِنَّهُ أَوْجَبُ لِلْمَحَامِدِ
وَأَصْلَحُ لِلْمَفَاسِدِ وَأَوْصَلُ إِلَى الْمَقَاصِدِ وَلِذَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَقِيهٌ وَاحِدٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ وَإِذَا سَمِعْتَ هٰذَا
فَإِيَّاكَ وَالْإِضَاعَةَ وَعَلَيْكَ بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فَإِنَّ الْفَتٰى مَنْ عَلِمَ فَعَمِلَ
وَسَمِعَ فَقَبِلَ وَذُكِّرَ فَاعْتَبَرَ وَأُمِرَ فَأْتَمَرَ قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى إِنَّ فِي
ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ وَسُبْحَانَ رَبِّكَ
رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ۵

گلستان سعدیؒ کی حکایت کا ترجمہ

حُكِيَ أَنَّ بَعْضَ صُلَحَاءِ لُبْنَانَ مِمَّنِ اشْتَهَرَتْ مَقَامَاتُهُمْ وَانْتَشَرَتْ كَرَامَاتُهُمْ جَاءَ إِلَى
دمشق فنزل بماء الكلاسة يريد أن يتطهّر إذ زلّ قدمه فوقع في الحوض ثمّ خرج
بعد ما أدركه الغرق وقام إلى الصلوٰة وصلّى بهم فلما فرغوا قال له بعض أصحابه إنّك
يا شيخ إني رأيتك يومًا في بحر المغرب كنت تمشي على الماء وما ابتلّ منك قدم وأما
اليوم فقد أشرفت على الهلاك في قليل من الماء ولولا رمقٌ من الحيوٰة لغرقت
فشتّان بين هذا وذاك فأطرق رأسه وأكثر في التأمل ثمّ قال أما سمعت بما
قال النبيّ صلى الله عليه وسلم لي مع الله وقتٌ لا يسعني فيه ملكٌ مقرّبٌ ولا نبيٌّ
مرسلٌ ولم يقل وقتٌ مستمرٌّ وكان عليه الصلوٰة والسلام تارةً يشتغل بالنساء
والرجال وأخرى لا يلتفت إلى جبريل وميكائيل ومن ههنا قيل مشاهدة الأبرار
بين التجلّي والاستتار ط،

دوسری حکایت

بینما انا جالس فی ذات یوم بجامع بعلبک اذ شرعت فی الوعظ والتذکیر وحولی جمع کثیر ممن لا یکادون یفقهون حدیثاً ولا یهتدون سبیلاً وکلما ازددت فی البیان تدقیقاً وتحقیقاً ازدادوا حیرة وضلوا طریقاً فلما رایت لا یحلیهم سحر کلماتی ولا تنیری فی قلوبهم نفثاتی اخذنی اخذة اسف لهفت بکل اللهف علی اضاعة الکلم واشاعة الحکم فی قوم صم بکم +

بنام بعضے از اہلِ علم کہ در بیروت مقیم بودند و نام ایشاں فراموش شدہ

الحمد لله رب العلمین والصلوة والسلام علی رسوله محمد واله واصحابه اجمعین۔ وبعد فانی قد سمعت ان المعلم الشهیر فاندیک الامریکانی النزیل ببیروت رتب سلسلة من الکتب فی العلوم الجدیدة وسماها النقش فی الحجر وانی ارید شراء جملة الکتب التی تضمنها هذه السلسلة من اولها الی اخرها وایضاً قد سمعت من بعض ثقات الذین قد لاقوکم فی البیروت ان تلک السلسلة یمکن وصولها الینا بتوسط جنابکم فاسألکم یا مولانا انا بای طریق نطلبها وکیف نؤدی ثمنها وهل یمکن ارسالها الی الهند بالطریقة التی جرت فی سائر الممالک الانکلیزیة وهی ان اهالی البوسطة یبلغون الاشیاء الی المکتوب الیهم بعد اخذ الثمن ویرفعون الثمن الی المالک ویسمون هذه الطریقة بالانکلیزیة ویلیوپے ایبل وترجمته بالعربیة (ما یجب اداء ثمنه) فعند ما یصل الینا الجواب من عند حضرتکم الجلیلة نطلب تلک السلسلة الجدیدة بالطریقة التی تصفونها لنا والسلام خیر ختام

جُملةٌ صالحةٌ

فی مآثر ناصح الملّة ومو قظهم عن نوم الغفلة الذابّ عنهم فی کل فتنة و الناصر لهم عند کل ملمّة الذی جعل همّته مقصورة علی اصلاحهم وَرَأی لذة حیاته فی نجاحهم وفلاحهم یهیم لهم فی کل وادٍ کصبّ هائم ولا یخاف فیهم لومة لائم اعنی الدکتور سر سید احمد ابن السید متقی ابن السید هادی الحسینی نسبًا والمدنی ثم الهروی محتدًا والدهلوی مولدًا شعر

طلوعُ الثنایا بالمطایا وسابقٌ الی غایةٍ مَن یَبتدرْها یُقدَّمِ

فاعلم ایّها المخاطب الجلیل انّ هذا الشیخ الاجلّ الامجد الهمام والسیّد الصند بل السَّمَیدع القمقام هو اوّل من تصدّی لاصلاح حال مسلمی الهند فی اواخر المائة الثالثة من الالف الثانی وافنی عمره کما انفد ماله فی نصحهم والرأفة بهم والشفقة علیهم والمجاهرة فیهم واول من ذبّ عن الاسلام وسافر لاجل ذلک الی اوربا ونشر هنالک محاسن الاسلام بین المسیحیین وطهّر ذیله عمّا افتروا علیه ونسبوا الیه من المثالب المساوی (تعالی عن ذلک علوًّا کبیرا) واثبت فضله علی ادیانٍ اُخری بدلائل بیّنةٍ وبراهین متقنةٍ

لہ تقریبًا ۲۵ - ۲۶ برس گزرے ہوں گے کہ لندن سے ایک ماہوار عربی رسالہ موسوم بہ "نخلۂ اوربیہ" جاری ہوا تھا۔ جس کے چند پرچے مہتمم رسالۂ مذکور نے میرے نام بھی بھیجے تھے۔ اور میں نے بجائے قیمت ادا کرنیکے اُسکی قلمی اعانت کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ ایک آرٹیکل مرحوم سر سید احمد خاں کے حالات اور اُنکی ملکی و قومی خدمات پر اپنی ٹوٹی پھوٹی عربی میں لکھکر لندن بھیجنے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر اُسکے بھیجنے سے پہلے معلوم ہوا کہ وہ رسالہ کسی وجہ سے بند ہو گیا اور وہ آرٹیکل راقم کے پاس مسودات میں یوں ہی پڑا رہا۔ اب جو اس ضمیمہ میں شامل کرنیکے لیئے اسکو ڈھونڈا تو بہت ہی کم اوراق دستیاب ہوئے۔ چونکہ موجودہ حالت میں مضمون مذکور کو از سر نو مرتب کرنا راقم کی طاقت سے باہر تھا۔ اس لیئے جسقدر اوراق بہم پہنچے اُنہیں کو بقدر امکان کسیقدر ترتیب دیکر اس ضمیمہ میں شامل کیا گیا ۱۲ حالی

سلك فيها طريق استدلالهم ونسج على منوالهم وهو اول من ادّعى انّ دينًا من الاديان لو يفك رقاب الجوارى والغلمان عن ذُل العبودية الا الاسلام واستدل على دعواه بآياتٍ بيّناتٍ من كلام العزيز الملك العلام واحاديث متصلة مرفوعة صحّت عن النبي خير الانام وهو اول من عزم على التوفيق بين ما جاء به القرآن وبين ما شهدت به الحكمة الجديدة وعلى دفع ما يتبادر الى الاذهان من الاختلاف بينهما كما فعل علمائنا المتكلمون فى صدر الاسلام لمّا شاعت الحكمة اليونانية بين المسلمين وخافوا عليهم ان يقعوا فى شبهات الملاحدة والزنادقة +

ولنذكر ههُنا شيئًا يسيرًا من مَسَاعيه الجميلة التى كانت مستمرة مسلسلةً فى نصرة الاسلام والمسلمين من ۱۸۵۷ء الى زمان رحلته التى وقعت فى اوائل ۱۸۹۸ء ميلادية +

منها انه لمّا اضطرمت نارُ البَغي والعُدْوَان فى اقطار الهند من قِبل العساكر الهندية ۱۸۵۷ء ميلادية وكان مُسلموا الهند اِذذاك مَظنّةً لخلاف الدولة الانكليزية لِمَا كانوا قبل استيلاء تلك الدولة فى نوعٍ من العزّ والمكنة والسلطان فى ممالك الهند - بادر الشيخ الى تاليف كتاب فى بيان اسباب البغى التى كان مرجع اكثرها الى غفلة اركان الدولة وسوء تدبيرهم فى الامور السّياسية وكَانَ الزمان زمان الاَخذ والبَطش وَالانتقام بحيث يفرّ المرءُ مِنْ اَخيهِ وَ اُمّه واَبيه وصاحبته وبنيه ويُؤسرون ويُسجنون ويُقتلون ويُصلبون فلَمْ يسكت هُناك من كلمة الحق والقى بنفسه الى التهلكة ليزيل كُلّ شُبهة

تختلج فی صدور اعیان الدولۃ من قبل المسلمین ویُبرّی ساحتہم من کل سوءٍ ویطہر ذیلہم عن کل رجس +

ومنہا انہ الف بعد ذلک کتابًا آخر علی خلاف ما شاع واشتہر بین الملۃ الانکلیزیۃ من رأی بعض مُربّی[1] الملک ومشیری الدولۃ منہم فی الھند انّ جماعۃ المحدّثین من مسلمی الھند الموسومین بالوہابیۃ الذین لا یجوّزون وجوب تقلید احد من الائمۃ المجتہدین لیسوا من اطاعۃ الدولۃ فی شیءٍ ویرون ان الجہاد مع النصاریٰ ولاۃ الھند واجب علی المسلمین - فلما اشتہر ذلک الکتاب مُزیّفًا للرأی المذکور بین الھند والانکلترہ ونظر فیہ رجال الدولۃ واعیان الملۃ ووازنوا بینہ وبین ذلک الرأی لم یبق لہم شبہۃ فی قصور علم صاحب الرأی وقلۃ تدبّرہ وضعف رأیہ وانہ لم یتّبع فیہ الا الظن ولم یتمسک الا بالقیاس ورفع بناءً من غیر اساس - واطلقوا خلقًا کثیرا من اولئک المحدثین واتباعہم کانوا مأسورین مسجونین ولم یکن لہم ذنب ولا اثم الا تسمیۃ الناس ایاہم باسم الوہابیۃ +

ومنہا انہ لمّا شاع کتاب السیرۃ المحمدیۃ الموسومۃ بلائف او محمد باللغۃ الانکلیزیۃ فی اربع مجلدات قد صنفہا احدٌ[2] من اکابر رجال الدولۃ و ولاتہا فی الھند بحیث لم یصنّف احدٌ من المسیحیین قبلہ کما زعموا امثال ذلک الکتاب علی مخالفۃ الاسلام - وکان الشیخ حینئذٍ متقلدًا لبعض اعمال الدولۃ تحت امر ذلک المصنف - شمّر الشیخ عن ساق الجد واخذ یتفحّص عما یحتاج الیہ من

---

[1] یعنی ڈاکٹر ہنٹر ۱۲ [2] یعنی سر ولیم میور ۱۲

الکتب والاسفار فی نصرة الاسلام والذبّ عن حَوزَتِه فلم یظفر منه فی الهند الا بقدرٍ یسیرٍ لا یسمن ولا یغنی من جوعٍ - لما قد خربت خزائن الکتب الاسلامیة کلّها فی فتنة العساکر الهندیّة - فعزم علی الرحلة من الهند الی اوربا لاجل ذٰلک واخذ معه ولدیه کانا یعرفان اللغة الانکلیزیة وسار بهما الی انکلترة واقام نحو سنتین بلندره وصنّف هنالک کتابا مبسوطا سماه بالخطبات الاحمدیة فی الکشف عن حقیقة الاسلام لصیانته عن کل ما یفترون علیه ویطعنون فیه ویرمونه -

ثم ترجم هذا الکتاب بلسان اهل انکلترة وطبعه واشاع وداول بین القریٰ والامصار من البرطانیة الکبریٰ وفی اکثر الممالک من اوربا لیتم حجة الاسلام علی من کان ینکر علیه من دعاة المسیحیة حتی ان بعض اهل الانصاف من القسیسین المامورین علی دعوة اهل الهند الی دینهم اعترف ان احدا من المسلمین منذ بدء الاسلام الی الآن لم یکتب کتابا جامعا کاشفا عن حقیقة الاسلام ومحاسنه قطّ فی لسان اهل المغرب کما کتب هذا الرجل کتابه الخطبات المحمدیة ولولاه لما تمّ علیهم حجة الاسلام -

ومنها انه لمّا صار مسلموا الهند مشرفین علی الموت الذی هو الذّل والهوان بین ابناء الزمان، لما ترکوا مسالمة الدهر ومرافقته ولم یتّعظوا بموعظة وتذکیرة، وزعموا انّ تعلم اللغة الانکلیزیة والتکلم بها والممارسة فیهما کفر، ولا یجوز للمسلمین ان یرضوا بتعلیم اولادهم فی المدارس الانکلیزیة فحرموا کثیرا من اعمال الدولة ومناصبها التی کانت شرط تقلیدها معرفة

اللغة الانكليزية ، ولم يزالوا يتنزّلون عن معارج العزّ والجاه درجةً بعد درجةٍ حتى كادوا ان ينتهوا الى غاية ذُلّهم وهوانهم ، ويعودوا غرباء خاملين غامضين وهم فى اوطانهم حمله الرقّة النوعيّة والاخوة الاسلاميّة على ان يُصلح امرهم ويجمع شملهم ويقوّم عوجهم ويسدّد افكارهم ويثقّف آراءهم ويدلّهم على ما يقتضيه الاحوال الحاضرة من تعلّم لسانِ وُلاة العهد واكتساب العلوم المفيدة والمعارف الجديدة ، وترك التقليد فى المصالح الدنيويّة والامور المعاشيّة والانسلاخ عن الرسوم القديمة التى رسخت فى قلوبهم كالاحكام الشرعيّة ، وغير ذلك من الامور التى لا يمكن ان يبقى امّةٌ من الامم العظيمة على عظمتها القديمة الاوان يلزموها انفسهم ويتشبّثوا بها ويعضّوا عليها بالنواجذ ، ويجتهدوا فيها ، +

فلا زال الشيخ مع كبر سنّه وعظم جثّته وثقل جسمه يسير ويرتحل من بلد الى بلدٍ ومن ناحية الى ناحيةٍ ، فيعظهم فى كل مجلس ويذكّرهم فى كل محضر ويلومهم ويعاتبهم ويرفقهم ويلاطفهم ، وكان يطالبهم ان يبذلوا اموالهم ويجهدوا انفسهم فى تهيّة اسباب التعليم وتيسيرها لاخلافهم واعقابهم وترويج العلوم الجديدة ومداولة اللغة الانكليزية بين المسلمين المتوطّنين فى بلاد الهند الآمنين فى كنف الدولة البرطانية كما فعل سائر ابناء وطنهم من الهنود والمجوس وغيرهم ، +

فلما انتهى الامر الى ذلك استطاع الشيخ عند ذلك سبيلا الى تشكيل مدرسةٍ كُلّيّةٍ رفع بناءها فى بحبوحة الهند بحيث لم يرَ مثلها عين الزمان ولا سيّما فى

ممالك الهند - وبنى حول المدرسة رباطًا متسعًا فی غاية الحسن والملاحة محتويًا على بيوتٍ متجاورةٍ متناسبة البناء متساوية المقدار صالحةٍ لان يسكنها الكبراء واهل الثراء - واشترط على المتعلمين (سواء كانوا من بلادٍ قريبةٍ او بعيدةٍ) ان يقيموا بتلك البيوت ويلتزموها ماداموا مشتغلين باخذ العلم لئلا يخالطوا قرناء السوء ويكونوا من معاشرة الاضداد بمعزلٍ ويحصل المواخاة بينهم بطول الصحبة ويصلح افكارهم بدوام المذاكرة وجمع فيها بين التعليمين دينيٍّ ودنيويٍّ - ليتمكنوا من اصلاح امر معادهم ومعاشهم ويستغنوا عن مدارس الدولة التي خلت عن تعليم علوم الدين رأسًا - وطلب لنظم المدرسة ولتعليم العلوم فيها وتربية المتعلمين المقيمين بها البارعين فی انواع العلوم من نجباء انكلترة المتحلين بالاخلاق الفاضلة والسير المرضية - واحضر ايضًا العلماء الاعلام من افاضل المسلمين لتعليم علوم الدين - وهيّأ لطلبة العلم كلّ ما يحتاجون اليه من المسجد والحمام والمطبخ والمستراح والمستشفى - و الآبار والاشجار والرياض والانهار والآلات المتنوعة لانواع الرياضات الجسمانية - والاماكن المنتظفة للمذاكرات العلمية - وغير ذلك مما لا يسعه للبيان +

ولاشك ان هذا المدرس اوّل مدرسةٍ فی الدنيا تشكّلت لتعليم المسلمين بمحض التعاون والتفاضل من ابناء الملة وتكفلت لتعليمهم وتربيتهم وتهذيب اخلاقهم وحفظ صحتهم وتنظيف لباسهم وتحسين كلامهم و ان يرشدهم الى معنى التمدّن وحسن المعاشرة ويدلّهم على ان القوم ما هو

والوحدة القومية ما هي ويحيى فيهم الاخوة الاسلامية التى قد ماتت بموت القدماء من اهل الملة البيضاء ويغرس فى قلوبهم منها شجرةً طيبةً اصلها ثابتٌ وفرعها فى السماء ويؤلف بين اشتات الفرق الاسلامية التى يتباغضون بينهم ويتنافرون ويتنازعون ويتخاصمون يعرض بعضهم عن بعض ويسبّ بعضهم بعضًا ثم لتوكيد هذا المقصد رأى ان يدوّل بينهم جرنالٌ مهذّبٌ للاخلاق و العادات محرّضٌ على المكارم والمعالى مزهّدٌ فى بعض العلوم القديمة التى لا طائل تحتها، كاشفٌ عن المعارف الجديدة مرغّبٌ فيها مشعرٌ بان الاسلام باصوله وفروعه لا ينافى اصول التمدن وفروعه ولا يمنع عن اتباع الملل المتمدنة فى العلوم والصناعات وسائر الحيل التى بلغوا بها غاية العز و المنعته والجاه وسبقوا كلّ امّةٍ من اصناف الامم الى اقصى مراتب الحكمة والدولة والسلطان۔ وسمّى هذا الجرنال بتهذيب الاخلاق،

فلا زال يصدُر فى كل شهرٍ مرّةً او مرّتين الى نحو عشر سنة وكان من احسن الجرائد وضعًا وترتيبًا وابلغها نظمًا وبيانًا واجزلها قدرًا ومكانًا فى لسان اهل الهند۔

لم يسبقه جريدةٌ ولا جرنالٌ فى هذا الشان۔ فانتفع به المسلمون فى هذه الاقطار فوق ما يرجى ويتوقّع ان ينتفعون، حتى ان صلحت افكارهم و تحولت اراءهم وتزلزل بنيانُ العصبيّةِ التى كانت تحول بينهم وبين الحق المبين۔ غيران المتقشفين من علماءهم والمقلدين من سفاءهم والمتعصبين الخائضين فى بحرٍ لجّيٍ يغشاه موجٌ من فوقه موجٌ من فوقه سحاب لم يتلقّوه

بالقبول بل انکروا علیه وکفّروا من تصدّی لادارته ومن کان من اعوانه وانصاره ولکن لم یقدروا ان یمنعوا غیرهم من اصحاب الرای واهل النهی عن موافقة الشیخ ومظاهرته فیما یرجع الی صلاح حالهم ومآلهم فبذلوا اموالهم لبناء المدرسة فوق ما یستطیعون۔

ومنها انه بعد تاسیس بنیان المدرسة الکلیة لتعلیم المسلمین وتشیید مبانیها عقد[1] مجلسا عمومیا باحثا عن امر تعلیم المسلمین المتوطنین فی کل ناحیة من نواحی الهند وانه کیف یمکن وصولهم الی الکمالات المطلوبة التی اقتضتها ضرورة الوقت ومع ذلک کیف یمکن لهم المحافظة علی بقایا السلف الصالح من علومهم القدیمة ولاسیما العلوم الدینیة التی تکاد تندرس رسومها وتمحوا آثارها من بلاد الهند وما السبیل الی بقاء اللغتین الحاملتین لدینهم وعلمهم وحکمتهم وادبهم وتاریخهم وسیرهم فی اخلافهم واعقابهم اعنی العربیة والفارسیة اللتین قد جاء بهما المسلمون الاولون من فاتحی الهند واعوانهم وانصارهم وکانت کل واحدة منهما منذ قدم المسلمین فی هذه الاقطار متداولة بینهم فکل ما کان من تعلیمهم وتعلمهم ومکاتبتهم ومراسلتهم وتصنیفهم وتالیفهم وانشائهم وانشادهم ونظمهم ونثرهم انما کان باحدی هذین اللسانین وکانوا یکرمون العربیة ویحبونها ویتبرکون بها کما کانوا مستانسین بالفارسیة راغبین فیها مقبلین علیها۔ والآن کلاهما مشرفان علی الزوال قد انمحا عن مدارس الدولة ومکاتبها رأسا ولم یبق فی بیوت المسلمین

---

[1] یعنی محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس ۱۲

منها الارمق ـ ومما الحيلة في تعليم نساء المسلمين من وراء الستر وهن مقصورات
في البيوت مستورات عن المعلمين والنسوة اللاتي يصلحن لتعليم النساء فلا يوجد
منهن في ارض الهند الا ما شاء الله ـ والمدارس التي تشكلت لتعليم نساء اهل
الهند من تلقاء الدولة او من قبل دعاة المسيحيين فلا يأمنها احد من اشراف
المسلمين ـ وايضا رأى الشيخ ان ينعقد ذلك المجلس على راس كل سنة في بلد من
بلاد الهند ويأتيه المسلمون حينئذ مبعوثين من كل ناحية ويعرض من يشاء
من اعضاء المجلس ما بدا له من رأي او فكر او حيلة او تدبير في امر التعليم
او في كل ما يتعلق بصلاح الملة على من شهد منهم في ذلك المجلس فمن شاء وافقه ومن شاء
لم يوافق فان توافقت كلمتهم في امر او غلبت آراء الموافقين عزموا على
امضائه وصمموا فيه والا فلم يأخذوا به وتركوه كان لم يكن شيئا مذكورا
واول فائدة يستفيدونها من ذلك المجلس انه يتسع به دائرة الاتحاد
بين المسلمين يوما فيوما ـ فانهم يأتون في كل سنة مرة من اماكن بعيدة
وبلاد قاصية لامر جامع فيه صلاح الملة فيجتمعون بعدما كانوا متفرقين
ويتعارفون بعد ما كانوا متناكرين ويقيمون في مقام واحد الى نحو خمسة
ايام او اكثر ليتمكنوا من دوام المصاحبة والمحادثة ويتفقوا في الاكل والشرب
ويتساءلون ويتشاورون ويتحدثون ويتفاكهون ثم ما عدا تلك الفوائد
بخطب الخطباء من افاضل الناس يفيدون في خطباتهم ما يناسب ذلك
المشهد من افادات جليلة يهتز بها القلوب ويتحرك بها النفوس الى معارج
الكمال المطلوب ٭

ومنها ان طائفة عظيمة من طوائف الهنود الذين سبقوا سائر ابناء الوطن فيما يقتضيه الاحوال الحاضرة من العلوم الجديدة والصناعة والسياسة والتمدن وفاقوا جميع الاقران والامثال فى معرفة اللغة الانكليزية وتقلدوا الاعمال الجليلة والمناصب الرفيعة من قبل الدولة بحيث لم يتركوا لاحد من اهل الوطن موضعاً للتقرب الى دولة العهد وحصول العزة والمكنة عند اركانها۔ شكلوا مجلساً عمومياً سموه **بنيشنل كانگريس** ليطالبوا دولة العهد ما وعدت من انها لا تفرق بين احد من اهل الهند واهل انكلترة بشرط استحقاقهم فى سائر الحقوق والمرافق ولا يرجح بعضهم على بعض فى تقليد الاعمال الجليلة والمشاركة فى وضع القوانين السياسية و غير ذلك واردت تلك الطائفة ان يشاركوا معهم فى تلك المطالبات جميع اهل الهند ليضطر الدولة الى استماع ما يقولون واجابة ما يسألون فلما مضى على تشكل ذلك المجلس سنتان وجعلت طوائف اهل الهند يستحسنونه ويميلون اليه ويرغبون فيه قليلاً قليلاً ويأتيه الناس مبعوثين حين ينعقد المجلس من كل ناحية حتى ان كثيراً من المسلمين ايضاً عزموا على مشاركتهم فى هذا المجلس، تفطن الشيخ بانه ان ظفرت تلك الطائفة بمرادهم لن ينال المسلمين منهم الا نزر۔ فان الحقوق التى يدعون لسائر ابناء الوطن لا يمكن ان يحصل لقوم الا وان يكونوا اغنياء اعزة عند اركان الدولة عارفين باللغة الانكليزية والعلوم الجديدة معرفة تامة مطلعين على القوانين السياسية خبيرين باصول الدول المتمدنة اليوروباوية ولا شك ان المسلمين

ليسوا من تلك المزايا في شئ يعتدّ به فلا بد ان يستوعب الهنود جميع تلك الحقوق ويشاركوا في الحكومة والقدرة والاختيار ولم يبق للمسلمين خلاق في العزة والمكنة والجاه ويصيروا اذًا لا صاغرين خاضعين للهنود اكثر مما كانت الهنود لهم في سالف الزمان وينتهز الهنود فرصة لان يبدوا ما في انفسهم من الضغينة والبغضاء القديمة التي قد بدت من افواههم وما تخفي صدورهم اكبر- فابتدر الشيخ عند ذلك الى تشكيل مجلس اٰخر على رغم مجلسهم لتنبيه المسلمين على انّ تلك المطالبة انما هي نافعة للهنود خاصّة لا للمسلمين ولرفع القضية الى اركان الدولة واعلامهم بانّا معشر المسلمين كافّة لانشاركهم فيما يدّعون وفيما يطالبون وانّا براٰء منهم ومما يقولون- فانتهى الامر الى ان جزمت الدولة بانّ في اسعاف ما يقترحون تاميرٌ لقومٍ خاصٍّ على سائر الاقوام من اهل الهند- وانتبه المسلمون بعد ما كانوا غافلين عن تبعات تلك المطالبة وعواقبها فاعتزلوا عنهم وتبرأوا عن مشاركتهم ولم يحم حولها بعد ذلك من المسلمين الا نفرٌ قليلٌ ليسوا في اعداد شئ منهم ٭

ومنها انه لمّا كان ممارسة العلوم الجديدة في الاكثر منتجًا للوهن في امر الدين ومظنّة للالحاد والتدهر لما يُرى ويُسمع من احوال رجال العلم في اوربا وكان الشيخ اوّل من حرّض مسلمي الهند على تحصيلها ورغّبهم فيها فخاف عليهم ان يجتنوا منه ما اجتنت الملل المسيحية في اوربا ويتضرروا بالعلم فوق ما كانوا يتضررون بالجهل ٭

وكان قلبه مطمئنًا على انّ الاسلام الخالص عن الشوائب الصافي عن الاكدار

لا يناقضه شيء من العلوم اليقينية وانما يناقض ما اشتبه بالاسلام وليس من الاسلام في شيء، من آراء العلماء وقياسات الفقهاء وخرافات القدماء من الفلاسفة والحكماء والبدع والاهواء والاخبار الواهية المنقولة من كتب اليهود والسنن الزائغة الماخوذة من المجوس والهنود وغير ذلك مما اختلط بجذافير الاسلام وصار منه بمنزلة الاخلاط من المزاج.

وكانت الفحول من علماء الاسلام في الهند كافة غافلين عما يقتضيه ضرورة الوقت فكما كانوا ينهون عن تعلم اللغة الانكليزية وتحصيل العلوم الجديدة كذلك كانوا يتناهون عن نصرة الاسلام بوجه يناسب أذواق المعترضين وينطبق على اصول مسلمة عند حكماء العصر وكانوا لا يجوزون ان يسلكوا في المدافعة عن دينهم طريقاً لم يسلكها الاولون بل كانوا لا يعرفون كيف السبيل الى الذب عن حوزة الاسلام في هذا الزمان، واين المفر من حملات الحكمة الجديدة على الملل والاديان وفيم الخلاص من شبهات الطبيعيين القائلين بامتناع الخرق في القوانين الطبيعية.

فلما استيأس الشيخ من علماء الملة ان يتعهدوا امر الدين ويحافظوا عليه ويدافعوا عنه تصدى بنفسه المنفردة لهذا الخطب الجسيم وشرع في تفسير القرآن الكريم على اصل متقن ينطبق على الحكمتين القديمة والجديدة ومع ذلك يشهد به العقل ولا يستنكره الشرع۔ وهو ان فعل الله وقوله تبارك وتعالى لا بد ان يكونا متوافقين متلازمين بحيث لا يتخلف احدهما عن الآخر لئلا يلزم نسبة الكذب الى حضرته (تعالى عن ذلك علواً كبيراً) ولا شك ان ما كان وسيكون في عالمي الخلق والامر انما هو من فعله تعالى فلا يمكن ان يوجد في كلامه المبين شيء يخالف ما في عالم الخلق او في

عالم الامر من الاسماء والصفات والافعال والآثار والقوى والكيفيات والحوادث والوقائع

ولما كان اصل اصول الاسلام هو القرآن الكريم الذى وصل الينا كما انزله الله

على رسوله من غير تحريف ولا تصحيف ولا زيادة ولا نقصان ولم يكن الاحاديث والاخبار

بهذه المثابة وكان فى كتاب الله غنية لنا عن كل ما عداه كما قال عمر بن الخطاب رض

"حسبنا كتاب الله" اقتصر الشيخ على تفسير القرآن ورأى ان فى المدافعة عن القرآن دفاعا عن

الدين كله ولنذكر ههنا انموذجا من تفسيره الذى حمل فيه بعض الفاظ القرآن الحكيم

على معان مجازية لم يحملها عامة علماء الاسلام على تلك المعانى قبل الشيخ - قال الشيخ

فى تفسير الآيات التى وقعت فى اوائل سورة البقرة فى بيان نعماء الجنة - اما حقيقة

الجنة التى علمنا ربنا فهى كما قال عز اسمه فى سورة السجدة "فلا تعلم نفس ما اخفى لهم

من قرة اعين جزاء بما كانوا يعملون" - واما حقيقتها التى اخبر بها المخبر الصادق عليه

الصلوة والسلام فهى كما اخرج الشيخان عن ابى هريرة رضى الله عنه قال قال رسول

الله صلى الله عليه وسلم "قال الله تعالى اعددت لعبادى الصالحين ما لا عين رأت

ولا اذن سمعت ولا خطر على قلب بشر" - فلا يخفى انه لو كان حقيقتها على ما زعموا

هى الرياض والانهار والفواكه والثمار والجوارى والغلمان وقصور من لؤلؤ وذهب

وفضة وانهار من لبن وخمر وعسل لكان مخالفا لما نطق به القرآن وما صح عن

النبى فان جميع تلك الاشياء مما تراه العيون وتسمعه الآذان ويخطر على قلب بشر -

ولا يقال ان ما فى الجنة من الرياض والانهار وغيرها فهى اعلى واشرف من امثالها فى

هذه الدنيا غاية العلو والشرف فلا يلزم ان ترى بالعيون وتسمع بالآذان كما ترى و

تسمع امثالها فى هذه الحيوة الدنيا - لانها ان لم تكن ترى وتسمع فما منعها ان تخطر

علی قلب بشرٍ۔ فان تلک النعماء التی امثالھا موجودۃ فی ھٰذہ الحیوٰۃ الدنیا۔ وان کانت اعلیٰ واشرف من امثالھا الخسیسۃ الدنیویۃ غایۃ العلو والشرف فلابد ان یکون بینھا وبین امثالھا نوعٌ من المماثلۃ والمشارکۃ والا فلا وجہ لتسمیتھا بھٰذہ الاسماء فان سلمنا انھا لا تُرٰی بالعیون ولا تسمع بالاٰذان فلا نسلم انھا لا تخطر علی قلب بشرٍ ایضًا۔ وقد علمت ان حقیقۃ الجنّۃ من شانھا ان لا یخطر علی قلب بشر۔ فعلم ان جمیع تلک النعماء التی تنسب الی الجنۃ انما ھی عبارات عن قرۃ اعینٍ تکون فیھا وتمثیلات لھا لتکون اوقع فی قلب الانسان واقرب الی فھمہ الناقص وادراکہ القاصر لحقیقۃ الجنۃ وماھیتھا۔

ثم اعلم ان الانسان کما خلقہ ربہ مجبول علی انہ لا یدرک ولا یتصور الا ما ابصر بالعین اومسّ بالید اوذاق باللسان اوشم بالانف اواحس بالقوۃ السامعۃ وقرۃ اعینٍ تکون فی الجنّۃ لا ابصر مثلھا الانسان بالعین قط ولا مس بالید ولا ذاق باللسان ولا شم بالانف ولا احسّ بالقوۃ السامعۃ فالفطرۃ الانسانیۃ تابی ان یبلغ الانسان کنہ تلک القریرۃ وحقیقتھا۔ ثم ما یُخاطب بہ الانسان انما یخاطب بما ھو جارٍ علی لسانہ من الالفاظ والکلماتِ ولا یوجد فی لغۃٍ من لغات الانسان لفظ یُعبّر عن معنی لا یُدرک بالحسّ فلا یمکن ان یعبّر عن ذلک المعنی بعینہ وان کان المعبر ھو اللہ فانہ قادر علی الممکنات لا علی المحالات۔ ثم کل لغۃ من لغات الانسان التی یخاطب بھا بعضھم بعضًا لا یوجد فیھا ایضًا لفظ ولا کلمۃ یُعبّر بھا عن کیفیات ھٰذہ الخسائس الدنیویۃ کالحموضۃ والحلاوۃ والوجع والالم والکلفۃ والراحۃ وانما یعبرون عنھا بمرادفاتھا اوبنوع من التمثیل والتشبیہ مع ان ذلک المرادف والتمثیل ایضًا یحتاج الی تفسیر

أخرى هلم جرًّا - فما ظنك بحقائق الجنة التي عُبّر عنها بقرة أعين كيف يمكن التعبير عنها بعينها وتصويرها في ذهن الإنسان وإن كان المعبّر هو الله ٭

إلا أنه لما كان الإنسان مجبولاً على ستكشاف ما في إتيان المأمور به من النفع وما في ارتكاب المنهي عنه من الضرر وكان لا يرغب في الطاعة إلا بعدما اطلع على نفعها ولا ينتهي عن المعصية إلا بعدما تبين مضارها وجب على كل نبي مرسل بل على كل مجدد يصلح بعض المفاسد العامة أن يبين ذلك النفع ويدل على تلك المضار ولو كان بنوع من التمثيل والتشبيه ٭

ولما كان التعبير عن حقيقة تلك القرة للأعين بعينها متعذرا وكذلك عن حقيقة ما يقابلها من الآلام الروحانية احتاج الشارعون إلى بيان جزاء الأعمال خيرًا كان أو شرًّا بكل راحة أو كلفة لا يتصور راحةٌ وكلفةٌ فوقها في هذا العالم والمقصود من ذلك البيان إنما هو تصوير تلك القرة للأعين وما يقابلها من الآلام الروحانية بوجه من التشبيه ولو كان ناقصًا لا هذه الراحة أو الكلفة بعينها ٭

ولذلك فقد وقع في التوراة بيان تلك القرة بكثرة الأولاد ونزول الأمطار وسعة الرزق والغلبة على الأعداء وأمثالها وبيان ما يقابلها من الآلام الروحانية بموت الأولاد والقحط والوباء والهزيمة من الأعداء وما أشبه ذلك إلا أن هذه الأمثال وإن كانت أوقع في قلوب بني إسرائيل وأنفذ ولكنها لم تكن بحيث تعتبر بها سائر الأمم والملل - فجاء القرآن بأمثال أبدع منها في الإنذار والتبشير وأوقع في قلوب كافة الناس وأوفق بحال كل فرد من أفراد الناس شرقيًّا كان أو غربيًّا باديًا كان أو حاضرًا وعالمًا كان أو جاهلاً فإن كل قوم سواء كانوا من البلاد الحارة أو الباردة يحبون بيوتًا مزخرفة وبساتين ناضرة ومياهًا جارية وفواكه طيبة يفرحون بها كل فرحة ويرغبون فيها كل رغبة ويشتهونها ويميلون إليها - وأيضًا كان في الحسن والجمال على إطلاقه لذة عجيبة تنجذب إليها النفوس وتهتز القلوب وأعجب الحسن والجمال إذا كان في الإنسان ولا سيما في الجواري والغلمان - فالتعبير عن قرة أعين تكون في الجنة بمثل هذه اللذات الفطرية - وعما يقابلها من الآلام الروحانية بأمثال النار والحميم والضريع والزقوم إنما المقصود منه أن يجزم بوجود كل نعمة لا يتصور فوقها نعمة في الجنة وبإدراك كل نقمة لا يتصور فوقها نقمة في جهنم وإلا فالراحة التي تكون في الجنة والكلفة التي تكون في جهنم بالحقيقة فلا مماثلة بينها وبين هذه الأمثال التي نطق بها القرآن ٭

تمت بالخير

اعلان

کیا جاتا ہے کہ جملہ حقوق تصنیف و تالیف کتاب ضمیمہ اردو منظم کلیات چالیے
بحق حضرت مصنف محفوظ ہیں۔ کوئی صاحب بلا اجازت جناب مصنف
صاحب ممدوح اسکے کل یا جزو چھاپنے کے مجاز نہیں اگر چھاپیں گے
تو نقصان اُٹھائینگے۔ یہ کتاب براہ راست مصنف سے درخواست
کرنے پر دستیاب ہو سکتی ہے*

المشتہر

حافظ عبد الستار بیگ مالک تحفہ ہند پریس کوچہ روح اللہ خاں

صوبہ دہلی